میری دُعائیں ساری کریو قبول باری

احمدیہ
صد سالہ
جشنِ تشکّر
نمبر

ماہنامہ
خالد
ربوہ
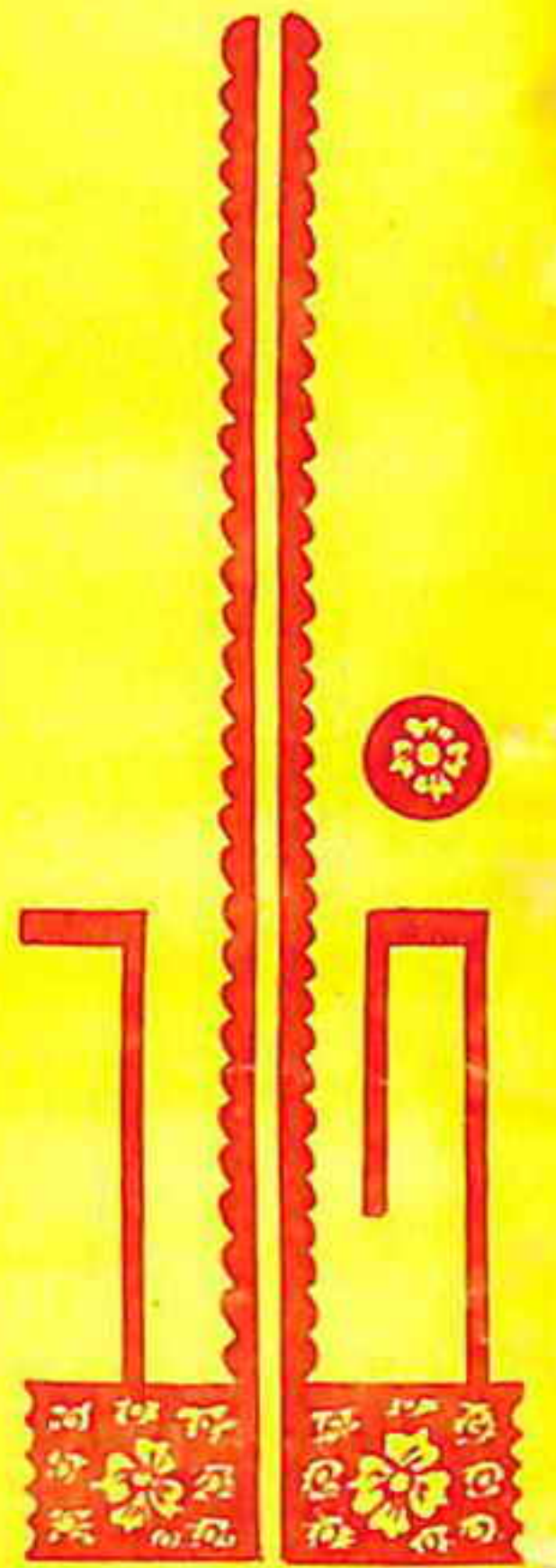
فروری، مارچ
سنہ ۱۹۸۹ء

ایڈیٹر
یوسف سہیل شوق

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعتِ احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ خالد ربوہ

احمدیہ صد سالہ جشن تشکر نمبر

تبلیغ، امان ۱۳۶۸ ہش

فروری، مارچ ۱۹۸۹ء

جلد ۳۶ ☆ شمارہ ۴-۵

قیمت ماہانہ ۲ روپے پچاس پیسے، سالانہ ۲۵ روپے

قیمت پرچہ ہذا۔ بارہ ۱۲ روپے

ایڈیٹر :

یوسف سہیل شوق ایم۔ اے

تاریخ طبع ۱۵-۳-۸۹

اس شمارہ میں

پبلشر مبارک احمد خالد، پرنٹر قاضی منیر احمد، مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ، مقام اشاعت دفتر ماہنامہ خالد دار الصدر جنوبی۔ ربوہ

اداریہ

ہمارا عظیم اثاثہ

عظیم الشان پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو کر فضائے بسیط میں بکھر جانے اور پھر ان ہموار میدانوں میں احمدیت کی فتح کی بساط بچھائی جانے کی صدی کی آمد تمام احبابِ جماعت کو عموماً اور خدام بھائیوں کو خصوصاً مبارک ہو۔

ابتلاؤں کے دوران ثابت قدم رہ کر جماعت احمدیہ نے ہمت و عظمت کے جو عظیم الشان مظاہرے کیئے ہیں وہ جانے والی صدی کا ایسا عظیم اثاثہ ہیں جن پر آنے والی صدی کی عظیم فتوحات کی عمارت پوری شان کے ساتھ تعمیر ہوگی اور جانے والی صدی کے دکھ اور مصائب ایک خوابِ پریشان کی طرح ذہن سے محو ہو جائیں گے۔

اے آنے والی صدی کی عظیم الشان فتوحات سے حصہ لینے والے ایسے احمدیو! آپ جنہوں نے جانے والی صدی کے ابتلاؤں سے حصہ نہیں لیا اس فتوحات کی صدی میں جانے والی صدی کے دکھوں کو فراموش نہ کرنا۔ آنے والی روحانی نعماء سے حصہ لیتے ہوئے جانے والوں کے دکھوں کو ضرور یاد رکھنا۔ آنے والی فتوحات میں عدل ضرور یاد رکھنا۔ تقویٰ کو نہ بھولنا اور آنے والے ابتلاؤں سے کبھی مایوس نہ ہونا کہ احمدیت کے مقابل پر ابتلاء کو دور کرنے کا مولا کریم کا وعدہ ہم نے بارہا پورا ہوتے دیکھا ہے آپ لوگ بھی دیکھیں گے اور ہر روز اپنے ایمانوں میں نئی تقویت پائیں گے۔

نئی صدی کے پہلے دن ہمیں جو دکھ ملے وہ جانے والی صدی کے کروڑوں اربوں ان گنت فضلوں کے مقابل پر پرِ کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہمارے دل خوشیوں سے معمور ہیں اور روحیں تشکر و امتنان کے جذبات سے مولا کریم کے آگے سربسجود ہیں۔

صد شکر ہے خدایا
صد شکر ہے خدایا
تو نے یہ دن دکھایا
صد شکر ہے خدایا

ماہنامہ "خالد" کے احمدیہ صدسالہ جشنِ تشکر نمبر کے لئے پیارے آقا حضرت امام جماعتِ احمدیہ کا

خصوصی پیغام

آپ آنے والی نوجوان نسل کے سردار بنائے گئے ہیں

دنیا بھر کے ممالک میں مجلس خدام الاحمدیہ کو منظم کرنے کی تلقین

ماہنامہ خالد اپنی خوش بختی پر جتنا بھی فخر کرے۔ وہ کم ہے کہ احمدیہ صدسالہ جشنِ تشکر کے مبارک و مسعود موقع پر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی پیغام سے نوازا ہے۔ خدام سے درخواست ہے کہ اس پیغام کے لفظ لفظ کو اپنی روح میں اتار لیں۔ خدا کرے کہ ہم اپنے محبوب آقا کی امیدوں پر بھرپور طور پر پورا اترنے والے ہوں۔ آمین ——— (ایڈیٹر)

میرے پیارے بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

احمدیت کے صدسالہ جشنِ تشکر کے مبارک موقع پر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے ترجمان رسالہ خالد کی اشاعت کی خبر سے بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کو ہر لحاظ سے بابرکت بنائے۔ اور بہتوں کے لیے ازدیادِ علم و عرفان کا موجب ہو۔ اُن سب کو دنیا و آخرت کی حسنات سے نوازے اور بہترین اجر عطا فرمائے جنہوں نے اس رسالے کی تیاری و طباعت اور اشاعت وغیرہ میں کسی رنگ میں خدمت کی سعادت پائی ہے۔

وہ تمام خدام جو خدا تعالیٰ کے فضل سے اگلی صدی میں قدم رکھ رہے ہیں اُن کو میں اس عظیم سعادت

پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں یہ مبارک دن دکھایا۔ اس پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ جہاں ہم اس عظیم سعادت پر بہت خوش ہیں وہاں ہمیں اُن ہمسفر بھائیوں کو یاد کر کے اُن کے لیئے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہمارے ساتھ چلتے ہوئے نئی صدی کے دہانے تک پہنچ گئے مگر عمر نے وفا نہ کی اور انہیں یہ توفیق نہ ملی کہ ہمارے ساتھ چلتے ہوئے نئی صدی کا مُنہ دیکھ سکتے۔

آپ سب جو خدا تعالیٰ کے فضل سے آج نئی صدی کے سر پر کھڑے ہیں آپ کو ہمیشہ اپنا یہ عظیم مقام پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ آپ آنے والی نوجوان نسلوں کے سردار بنائے گئے ہیں جس قسم کے نمونے آپ اپنے پیچھے چھوڑیں گے انہی نمونوں سے بعد میں آنے والی نوجوان نسلوں کے کردار کی تشکیل ہوگی۔ پس نئے عزم کے ساتھ، نئے ولولے لے کر نئی صدی میں داخل ہوں اور کوشش کریں کہ آپ کا سارا وجود دُھل کر اور پاک صاف ہو کر نئے وجود کی طرح نئی صورت میں صفحۂ ہستی پر اُبھرے۔ یہ وقت ایسا نہیں کہ محض جماعت چند کمزوریوں کو دُور کرنے پر ہی اکتفا کیئے جائے۔ یہ وقت تو ایسا ہے کہ گناہ کا ہر داغ دھو کر، پاک اور مطہر بن کر نئی صدی میں داخل ہوں۔

عید کا سا سماں ہو، جیسا بچوں کو خوب مَل مَل کر نہلایا جاتا ہے اور گھروں کو خوب مانجھ کر صاف کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نئی صدی میں داخل ہونے کی عید منائیں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ جب کپڑوں کو دھویا جاتا ہے تو بعض داغ اَور زیادہ اُبھر کر سامنے آتے ہیں اور پہلے سے بڑھ کر وہ تکلیف دینے لگتے ہیں۔ جب تک انسان اُن داغوں کو بھی مٹا نہ دے اُسے سچا اطمینان نہیں ہو سکتا۔ یہی حال گناہوں اور بد عادتوں کا بھی ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ محض چند بُرائیوں کو دُور کرنا کافی نہیں بلکہ تمام روحانی بدن اور سارے روحانی لباس کی صفائی ضروری ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود پر اللہ تعالیٰ بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے آپ فرماتے ہیں :-

> "کپڑا جب تک سارا نہ دھویا جاوے وہ پاک نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح پر انسان کے سارے جوارح جو اِس قابل ہیں کہ وہ دھوئے جاویں ایک کے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اِس کے سوا یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خدا کا سنوارا ہوا بگڑتا نہیں مگر انسان کی بناوٹ بگڑ جاتی ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے اندر خدا تعالیٰ کی مرضی اور سنّتِ نبوی کے موافق تبدیلی نہیں کرتا اور پاکیزگی کی راہ اختیار نہیں کرتا، خواہ اُس کے قلب سے یہ آواز آتی ہو وہ زہر جو انسان کی روحانیت کو ہلاک کر دیتی ہے دُور نہیں ہُوا کرتی۔"
>
> (ملفوظات جلد نمبر ۲ صـ ۳۶۸)

اِس اقتباس میں ایک بہت ہی پیارا فقرہ ہے جو سارے مضمون کی جان ہے اور ایک عظیم عارف باللہ

کے سوا کسی زبان پر یہ فقرہ جاری نہیں ہو سکتا۔ وہ فقرہ یہ ہے "یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خدا کا سنوارا ہوا بگڑتا نہیں مگر انسان کی بناوٹ بگڑ جاتی ہے"۔ پس اپنی روحانی صفائی کے لئے اور اپنے نقوش سنوارنے کے لئے محض اپنی ہی کوششوں پر انحصار نہ کریں۔ کیونکہ اس کے نتائج دیرپا ثابت نہیں ہوں گے۔ پس دعا کی طرف خصوصیت سے توجہ دیں اور بار بار دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں اور اُس سے دعا کریں کہ ہم تیرے حضور پاک صاف ہو کر اور سنور کر حاضر ہونا چاہتے ہیں تو ہی ہمیں پاک صاف فرما اور سنوار دے ورنہ ہم ذاتی طور پر یہ طاقت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور دنیا و آخرت کی بہترین حسنات سے آپ کو نوازے اور پہلے سے دسیوں گنا زیادہ تیز رفتاری اور مضبوط قدموں کے ساتھ آپ آگے بڑھیں اور آگے بڑھتے چلے جائیں۔ اُس نور کی شمعیں ہاتھوں میں لئے ہوئے تمام دنیا میں پھیل جائیں جو نور حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مطہر پر نازل ہوا تھا اور جس نے آپ کو مجسم نور بنا دیا تھا۔

خدا تعالیٰ مجلس خدام الاحمدیہ عالمگیر کو خدمتِ دین کی عظیم الشان توفیق عطا فرمائے۔ ابھی متعدد ممالک ایسے ہیں جہاں مجلس ابھی پوری طرح بیدار نہیں یا جانتی نہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔ پس ان کی عملی کمزوری اخلاص کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ اُمید ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ایسے ممالک اور مجالس کی تعلیم و تربیت کے لئے پُر حکمت منصوبے بنا کر اُن پر عملدرآمد کروائے گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مجلسی اور اجتماعی ذمہ داریاں ادا کرنے کی بہترین توفیق عطا فرمائے۔

اب مَیں اپنے اِس مختصر پیغام کو اِس نصیحت پر ختم کرتا ہوں کہ ہر خادم کو خود بھی اپنی روحانی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ اِس کا آغاز اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت کا تعلق قائم کرنے سے ہوتا ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو جائے اُسے ہر دوسری قید سے رہائی ملتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت کے بندھن باہر سے نہیں لائے جاتے بلکہ دل سے اُگتے ہیں اور انسان کے سارے وجود کو لپیٹ کر خدا تعالیٰ کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنے رب کے قدموں میں خاک نشین ہونے کی عظمت اور رفعت عطا فرمائے۔ آمین

آپ سب کو احمدیت کی اگلی صدی مبارک ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ کا ہمیشہ حامی و ناصر رہے اور دنیا و آخرت کی حسنات سے نوازے اور اپنی رضا کی دائمی جنت نصیب فرمائے۔ آمین

والسّلام
خاکسار
مرزا طاہر احمد
امام جماعت احمدیہ

احمدیہ صد سالہ جشنِ تشکر کے مبارک موقع پر

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کا خصوصی پیغام

پُرخلوص جذبۂ اخوت کے ساتھ دنیا بھر کے انسانوں کو دینِ توحید کی دعوت

خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کیساتھ

ھوالناصر

ملک ہند میں مشرقی پنجاب کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں آج سے ایک سو سال پہلے ایک عجیب ماجرا گزرا، جسے آئندہ بنی نوع انسان کیلئے ایک عظیم عہد آفریں واقعہ بننا تھا۔ وہاں ایک ایسا مذہبی راہنما مبعوث ہوا جس نے خدا کے اذن سے دورِ آخر میں ظاہر ہونیوالے آسمانی مصلح ہونے کا دعویٰ کیا۔ یوں تو دنیا میں ایسے سینکڑوں دعویدار پیدا ہوئے اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے لیکن اس کے دعویٰ میں ایک ایسی بات تھی جو سب سے الگ اور سب سے عجیب تھی۔ اس نے ایک ایسا دعویٰ کیا جس نے ایک نئے انداز میں اقوامِ عالم کے اتحاد کی بناء ڈالی اور توحیدِ باری تعالیٰ کی ایک ایسی تفسیر کی جس نے دورِ آخر میں ظاہر ہونیوالے متفرق مصلحین کے پراگندہ تصور کو وحدت کا جامہ پہنایا۔

وہ انقلاب آفریں اعلان کیا تھا جس نے اس دَور کی مذہبی دنیا میں ایک ہیجان برپا کر دیا اور جس کا ارتعاش زمین کے کناروں تک محسوس کیا گیا۔ یہ وہ دَور تھا جسے ہم بالعموم دورِ انتظار کہہ سکتے ہیں۔ تمام دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کے پیروکار کیا یہودی اور کیا عیسائی، کیا مسلمان اور کیا ہندو، کیا بدھ اور کیا زرتشتی اور کیا کنفیوشس کے ماننے والے سبھی اپنے اپنے مذہب کی راہ پر آخری زمانہ کے موعود مصلح کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ یہود کو بھی ایک مسیح کی انتظار

تھی جس نے دورِ آخر میں ظاہر ہونا تھا اور عیسائیوں کو بھی ایک مسیح کی آمد کا انتظار تھا۔ مسلمان بھی ایک موعود مسیح کی آمد کے منتظر تھے اور ایک مہدیٔ معہود کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ہندو کرشن کی آمدِ ثانی کے منتظر اور بدھ مت کے ماننے والے بدھا کے نئے روپ میں ظاہر ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر مذہب میں ایسی قطعی اور واضح پیشگوئیاں موجود تھیں کہ آخری زمانے میں سچائی کے عالمگیر غلبہ کی خاطر خدا تعالیٰ کسی مصلح کو ضرور بھیجے گا لیکن مشکل یہ تھی کہ ہر مذہب اس ظاہر ہونے والے مصلح کو الگ الگ ناموں سے یاد کر رہا تھا۔

بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ نے یہ راز سمجھایا کہ مختلف مذاہب میں جو مختلف ناموں سے آخری موعود عالم کی پیشگوئیاں ملتی ہیں اگرچہ وہ سب بنیادی طور پر درست ہیں لیکن یہ درست نہیں کہ خدائے واحد و یگانہ نے ہر مذہب میں الگ الگ مصلح بھیجنا تھا بلکہ مراد یہ تھی کہ ایک ہی مذہب میں جسے خدا تعالیٰ اپنے جلوۂ توحید کیلئے اختیار فرماتا، ایک ایسے موعودِ عالم کو مبعوث فرمانا تھا جو تمام مذاہب کے موعود مصلحین کی بھی نمائندگی کرتا تا بنی آدم کو ایک عالمی وحدت کی لڑی میں پرو کر توحیدِ خالق کا ایک رُوح پرور نظارہ توحیدِ خلق کے آئینہ میں دکھایا جاوے۔

آپ نے اذنِ الٰہی کے تابع یہ اعلان کیا کہ وہ مذہب (دینِ حق۔ناقل) ہے جسے خدا تعالیٰ نے اپنی توحید کے عالمگیر جلوہ کے لیے اختیار فرمایا ہے اور محمد عربی احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آخری صاحب قانون رسول ہیں جو سب جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں جن کی غلامی میں وہ مصلحِ عالم پیدا ہونا تھا جس کا مختلف ناموں کے ساتھ مختلف لبادوں میں مختلف مذاہب میں ذکر ملتا ہے۔

بہت عجیب یہ دعویٰ تھا اور وہ یکّہ و تنہا آواز جو ہندوستان کی ایک چھوٹی سی گمنام بستی سے بلند ہوئی تھی بظاہر کوئی ایسی اہمیت نہ رکھتی تھی کہ قابلِ توجہ اور قابلِ پذیرائی سمجھی جاتی لیکن تعجب ہے کہ دنیا نے اس آواز کی طرف بڑی سنجیدگی سے توجہ کی اور جہاں آپ کی تائید میں دنیا کے مختلف ممالک سے بعض آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں وہاں مخالفت کا بھی ایک ایسا شور برپا ہوا کہ جس کی نظیر انسانی تاریخ میں شاذ شاذ ملتی ہے اور ایسے تاریخ ساز ادوار کی یاد دلاتی ہے جب خدا تعالیٰ اپنی نمائندگی میں اپنے بعض کمزور بندوں کو پیغامِ حق کیلئے کھڑا کرتا ہے اور باوجود اس کے کہ تمام دنیوی طاقتیں ان کی مخالف ہو جاتی ہیں پھر بھی وہ ان کی پشت پناہی کرتا ہے۔ ہر لحظہ ان کی حفاظت کے سامان فرماتا اور قدم بقدم انکی کمزوری کو طاقت میں تبدیل فرماتا چلا جاتا ہے۔ پس یہی معاملہ اس دعویدار اور اسکی جماعت کے ساتھ کیا گیا۔

دنیا نے آپکی مخالفت کو انتہاء تک پہنچا دیا۔ آپ کے خلاف کفر و الحاد کے فتاوٰی صادر کئے گئے۔ جھوٹے مقدموں میں ملوث کیا گیا۔ قتل کے منصوبے باندھے گئے۔ آپ کے متبعین کو ہر لحاظ سے ستایا گیا۔ ان کی مذہبی آزادی کو پامال کیا گیا اور بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ ان کے نفوس و اموال کو مباح قرار دیکر ان کو واجب القتل ٹھہرایا گیا۔ ظالمانہ طور پر وہ شہید کیے گئے۔ اذیتناک جسمانی سزائیں دی گئیں۔ دکانیں لوٹی گئیں۔ تجارتیں برباد کر دی گئیں اور گھر جلا دیئے گئے حتٰی کہ بارہا (بیوت الذکر۔ ناقل) بھی منہدم کر دی گئیں غرضیکہ مخالفت کا ہر وہ ذریعہ اختیار کیا گیا جس کا مقصد آپ کے پیغام اور آپکی جماعت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا تھا لیکن دشمنی اور عناد کا یہ طوفان اس آواز کو دبا نہ سکا اور مخالفت کی ہر لہر سے جماعت احمدیہ پہلے سے قوی تر اور بلند تر ہو کر ابھری۔

پس جماعت کے قیام سے لیکر ایک سو سال تک بلا شبہ اس نحیف اور کمزور جماعت کو قادر و توانا خدا کی تائید اور پشت پناہی حاصل تھی اور ہر لمحہ اس کا دستِ قدرت اس کی حفاظت فرما رہا تھا۔

ان بے شمار فضلوں اور پیہم نوازشات پر اپنے محسن خدا کا ذکر بلند کرنے اور اظہار تشکر کی خاطر جماعت احمدیہ ۱۹۸۹ء کا سال صد سالہ جشنِ تشکر کے طور پہ منا رہی ہے۔

اس مبارک موقع پہ بڑے خلوص اور عجز کے ساتھ میں اپنے تمام انسان بھائیوں کو جماعت احمدیہ میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں اور عالم الغیب والشہادۃ خدا کو گواہ ٹھہرا کر کہتا ہوں کہ یہ ایک سچی اور مخلص جماعت ہے جو (دینِ توحید۔ ناقل) کو دینِ حق تسلیم کرتی ہے اور ایمان رکھتی ہے کہ آج بنی نوع انسان کی نجات (دینِ حق۔ ناقل) ہی کے دامن سے وابستہ ہے۔ (دینِ حق۔ ناقل) تمام بنی آدم کو وحدت اور امن کا پیغام دیتا ہے اور اپنی اشاعت کیلئے کسی قسم کے جبر و تشدد کے ذرائع کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور انسان کی آزادیٔ ضمیر کا علمبردار ہے۔ (دینِ حق۔ ناقل) انسان کو ہوائے نفس کی غلامی سے نجات بخشتا ہے اور ایک سادہ مگر انتہائی ترقی یافتہ نظام عطا کرتا ہے۔ جو اس کے تمام اقتصادی، تمدنی اور معاشرتی مسائل کا مؤثر حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ (دینِ حق۔ ناقل) ایک ایسا سیاسی نظریہ دنیا کو عطا کرتا ہے جس میں جھوٹ اور فریب دہی کی کوئی گنجائش نہیں اور ایسے کامل عدل کی تعلیم دیتا ہے جو انفرادی، قومی اور گروہی مصالح سے بالاتر ہے۔ اور دوست دشمن کے حقوق کو مساوی میزان سے تولتا ہے۔

جماعت احمدیہ ایمان رکھتی ہے کہ یہی دین ہے جو صلاحیت رکھتا ہے کہ آج تمام اقوامِ عالم کو ایک ہاتھ پہ جمع کرے اور توحید کی لڑی میں پرو دے۔ پس میں اس اہم اور مبارک

موقعہ پر بحیثیت امام جماعت احمدیہ عالمگیر روئے زمین پر بسنے والے اپنے تمام انسان بھائیوں کو اسی دینِ امن اور دینِ توحید کی طرف دل کی گہرائی اور پُرخلوص جذبۂ اخوت کے ساتھ بلاتا ہوں ہرچند کہ احمدیت بادیٔ النظر میں ابھی ایک ایسی قوت کے طور پر نہیں اُبھری جو ایک عالمی انقلاب برپا کرنے کی قدرت رکھتی ہو لیکن ہر صاحبِ بصیرت یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ گزشتہ ایک سو سال میں شدید مخالفتوں کے باوجود اس جماعت کی حیرت انگیز عالمی ترقی کوئی ایسا معمولی واقعہ نہیں جسے نظرانداز کیا جا سکے۔

اس عرصہ میں جماعت احمدیہ خدا تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے ۱۲۰ ممالک میں قائم اور مستحکم ہو چکی ہے اور اسکی ترقی کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز سے تیز تر ہوتی چلی جارہی ہے اور اس جماعت کے حق میں وہ سب کچھ رونما ہو رہا ہے، جس کا ایک سو سال پہلے انسانی تخمینوں کے لحاظ سے کوئی تصوّر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پس یقیناً وہ خدا کی ہی آواز تھی جس نے اس جماعت کے مستقبل کے بارہ میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو ان الفاظ میں خبر دی:

" میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا۔ اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا " ...... " میں تیری .... کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔"

انہی الٰہی بشارات سے روشنی اور قوت پاکر بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بنی نوع انسان کو یہ عظیم خبر دی کہ:

" قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اَور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لیے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی رُوح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے اور آسمان پر ایک جوش اور اُبال پیدا ہوا ہے جس نے ایک پُتلی کی طرح اس مُشتِ خاک کو کھڑا کر دیا ہے۔ ہر یک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں عنقریب دیکھ لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں۔ کیا وہ آنکھیں بینا ہیں جو صادق کو شناخت نہیں کر سکتیں۔ کیا وہ زندہ ہے جس کو اس آسمانی صدا کا احساس نہیں۔"

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۰۳)

سعید بخت ہے وہ انسان جو آسمانی آواز پر کان دھرے اور خدا کے قائم کردہ امام کی دعوت پر لبیک کہنے کی سعادت پائے۔

والسلام

خاکسار

(دستخط) مرزا طاہر احمد

(امام جماعت احمدیہ)

احمدیہ صد سالہ جشنِ تشکر کے مبارک و مسعود

موقع پر

ہم سیدنا و امامنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ اور دیگر احباب جماعت کو

دل کی گہرائیوں سے

مبارکباد!

عرض کرتے ہیں اور یہ عہد کرتے ہیں کہ آنے والی صدی میں ہم اپنے عہد کو پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر ذمہ داری اور لگن سے ادا کرتے رہیں گے

ہم اقرار کرتے ہیں کہ اپنے دینی، قومی اور ملی مفاد کی خاطر ہم اپنی جان، مال، وقت اور عزت کو قربان کرنے کیلئے ہر دم تیار رہیں گے اور امام جماعت جو بھی معروف فیصلہ فرمائیں گے اس کی پابندی کرنا ضروری سمجھیں گے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

اراکین مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

"خالد" کے صد سالہ جشنِ تشکّر نمبر کے لئے صدر محترم کا پیغام

خدّام کے نام

صدر مجلس خُدّامُ الاحمدیّہ مرکزیّہ

محترم محمُود احمد صاحب کا پیغام

پیارے خدّام بھائیو!

احمدیّہ صد سالہ جشنِ تشکّر کے مبارک اور تاریخی موقع پر میں آپ سب بھائیوں کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں اور برکتوں سے ہمیں ہر آن نوازتا رہے اور دن رات اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا کرتا رہے۔

اِس تاریخی موقع پر میں آپ کو یہ بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آپ سب نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیّہ کی بیعت کرنے کے بعد جو عہد خدا سے باندھا ہے اس کو خوشی و مسرّت کی اِس گھڑی میں ہرگز فراموش نہ کریں۔ خوشی کے یہ لمحات ہمیں ہر لمحہ یہ یاد دلاتے رہیں کہ آیا ہم میں سے ہر خادم اس خوشی کے جذبات کا صحیح اظہار کرنے کا اہل اور حقدار ہے یا نہیں!

مسرّتوں کی اِن گھڑیوں میں اُٹھتے بیٹھتے رُک کر یہ سوچتے رہیں کہ ہم ایک احمدی کے طور پر اور ایک خادم کے طور پر اپنے فرائض کی بجا آوری سے پہلوتہی تو نہیں کر رہے۔ کہیں ہم اپنے دینی مشاغل میں سُست تو نہیں ہو گئے۔ عبادات سے ہمارا رشتہ کمزور تو نہیں پڑ گیا۔ دعائیں کرنے اور دن رات دعاؤں میں بسر کرنے میں ہم سے کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔!!

اور اگر اس سوچ کے دوران کہیں آپ کو کسی کمی کا احساس ہو تو خوشی کی ان گھڑیوں کے حوالے سے دل میں یہ عزم مصمم کریں کہ آئندہ آنے والی صدی آپ کو جانے والی صدی سے بہتر حالت میں پائے گی۔ آپ فتوحات کے دور میں داخل ہو رہے ہیں تو ابتلاؤں کے دور سے کندن بن کر نکلے ہیں اور آپ کل کے دن گزرے ہوئے کل کی نسبت کہیں زیادہ پکے اور سچے احمدی ہوں گے۔

اس مرحلہ پر یہ بھی عزم صمیم کریں کہ آنے والی صدی میں خدا کے فضلوں کی جو نئی بارش ہماری جھولیوں میں پڑنے والی ہے اس میں ہم بھرپور دعوت الی اللہ کے ذریعے اپنا بھی کردار ادا کریں گے اور اس میں ماضی کی ہر کمی کی بھرپور طریق سے تلافی کر کے رکھ دیں گے۔

اپنے امام سے مضبوط، پختہ اور جاندار تعلق قائم رکھنے کو کبھی نہ بھولیں، اس پہلو سے کبھی سست نہ ہوں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعائیں اور حضور کی نظر شفقت کی برکتیں آج کی معلوم دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں، سب سے بڑا سرمایہ ہیں اور سب سے اعلیٰ دولت ہیں۔ اپنے دامنوں میں یہ دولت جی بھر کے سمیٹیں اور دنیا جہان کی نعمتوں کے وارث بن جائیں۔

خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور مجھے بھی اور آپ کو بھی اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔ آمین

والسلام

آپ کا بھائی

صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

حمد باری تعالےٰ

حضرت بانی سلسلہ کا شیریں منظوم کلام

حمد و ثنا اُسی کو جو ذاتِ جاودانی ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اس کے سب ہیں فانی غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی
سب غیر ہیں وہی ہے اک دل کا یار جانی
دل میں مرے یہی ہے سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

ہے پاک پاک قدرت عظمت ہے اُسکی عظمت لرزاں ہیں اہلِ قربت کروبیوں پہ ہیبت
ہے عام اس کی رحمت کیونکر ہو شکرِ نعمت ہم سب ہیں اس کی صنعت اس سے کرو محبت
غیروں سے کرنا الفت کب چاہے اس کی غیرت
یہ روز کر مبارک سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

جو کچھ ہمیں ہے راحت سب اسکی جُود و منّت اس سے ہے دل کو بیعت دل میں ہے اسکی عظمت
بہتر ہے اس کی طاعت طاعت میں ہے سعادت
یہ روز کر مبارک سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

سب کا وہی سہارا رحمت ہے آشکارا ہم کو وہی پیارا دلبر وہی ہمارا
اُس بن نہیں گذارا غیر اس کے جھوٹ سارا
یہ روز کر مبارک سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

یا رب ہے تیرا احساں میں تیرے در پہ قرباں تُو نے دیا ہے ایماں تُو ہر زماں نگہباں
تیرا کرم ہے ہر آں تُو ہے رحیم و رحماں
یہ روز کر مبارک سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

کیونکر ہو شکر تیرا تیرا ہے جو ہے میرا تُو نے ہر اک کرم سے گھر بھر دیا ہے میرا
جب تیرا نور آیا جاتا رہا اندھیرا
یہ روز کر مبارک سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

میری دعائیں ساری کریو قبول باری میں جاؤں تیرے واری کر تُو مدد ہماری
ہم تیرے در پہ آئے لے کر اُمید بھاری
یہ روز کر مبارک سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

(درثمین)

احمدیت کے مستقبل کے متعلق حضرت بانیٔ سلسلہ کی پیشگوئیاں

قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں

نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا

یہ مت خیال کرو کہ خدا تم کو ضائع کر دے گا!

۱- "سنو! وہ جس نے یہ کلام نازل کیا وہ کیا کہتا ہے۔ اُس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا۔ اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔

سو ضرور ہے کہ یہ زمانہ گزر نہ جائے اور ہم اس دنیا سے کوچ نہ کریں جب تک خدا کے وہ تمام وعدے پورے نہ ہوں۔" (نزول المسیح صـ ۸۹)

۲- "میں بڑے دعوے اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے اور جہاں تک میں دُور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کی تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اَور زبان بول رہی ہے۔ اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اَور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے۔ اور آسمان پر ایک جوش اور اُبال پیدا ہوا ہے جس نے ایک پُتلی کی طرح اس مُشتِ خاک کو کھڑا کر دیا ہے۔ ہر یک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں عنقریب

دیکھ لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں۔ کیا وہ آنکھیں بینا ہیں جو صادق کو شناخت نہیں کر سکتیں؟ کیا وہ بھی زندہ ہے جس کو اس آسمانی صدا کا احساس نہیں؟" (ازالہ اوہام ص ۳۰۳)

۳۔ "اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بے دل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں بلکہ اب زمانہ (دینِ حق۔ ناقل) کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور (دینِ حق۔ ناقل) فتح پائے گا۔ حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں۔ کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجامکار ان کے لیئے ہزیمت ہے۔ میں شکرِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ (دینِ حق۔ ناقل) کی اعلیٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے جس علم کی رُو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ (دینِ حق۔ ناقل) نہ صرف فلسفۂ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علومِ مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔ (دینِ حق۔ ناقل) کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہے ہیں۔ اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کی فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے اور فتح بھی روحانی تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دیوے۔" (آئینہ کمالات ..... ص ۲۵۴ حاشیہ)

۴۔ "میں ہر دم اس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے۔ میرا دل مُردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے اور میری جان عجیب تنگی میں ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کونسا دلی درد کا مقام ہوگا کہ ایک عاجز انسان کو خدا بنایا گیا ہے اور ایک مشتِ خاک کو رب العالمین سمجھا گیا ہے۔ میں کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا قادر توانا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے۔ غیر معبود ہلاک ہوں گے اور جھوٹے خدا اپنے خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے۔ مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئے گی اور نیز اس کا بیٹا اب ضرور مرے گا۔ خدا قادر فرماتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ اور تمام زمین کے باشندوں کو ہلاک کروں۔ سو اب اس نے چاہا ہے کہ ان دونوں کی جھوٹی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھا دے۔ سو اب دونوں مریں گے کوئی ان کو بچا نہیں سکتا اور تمام خراب استعدادیں بھی مریں گی جو جھوٹے خداؤں کو قبول کر لیتی تھیں۔ نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو

سچے خدا کا پتہ لگے گا۔ اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہو گا کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ سب ملّتیں ہلاک ہوں گی مگر (دین حق۔ ناقل) اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر (دینِ حق۔ ناقل) کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹیگا نہ کُند ہو گا جب تک دجّالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔ لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔"

(تبلیغ رسالت جلد ششم ص۸)

۵۔ "خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام دنیا میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا۔ اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی۔ اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا۔ یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاوے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلاء آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا۔ اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

سو اے سُننے والو! ان باتوں کو یاد رکھو اور ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہو گا۔ میں اپنے نفس میں کوئی نیکی نہیں دیکھتا اور میں نے وہ کام نہیں کیا جو مجھے کرنا چاہیئے تھا اور میں اپنے تئیں صرف ایک نالائق مزدور سمجھتا ہوں۔ یہ محض خدا کا فضل ہے جو میرے شامل حال ہوا۔ پس اُس خدائے قادر اور کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس مشتِ خاک کو اُس نے باوجود ان تمام بے ہنریوں کے قبول کیا ؎

عجب دارم از لطف اے کردگار ؛ پذیرفتہ ؑ چوں من خاکسار

(تجلیات الٰہیہ ص۲۱-۲۳)

۶۔ خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ میں آخر کار تجھے فتح دوں گا۔ اور ہر ایک الزام سے تیری بریّت

ظاہر کر دوں گا اور تجھے غلبہ ہوگا اور تیری جماعت قیامت تک اپنے مخالفوں پر غالب ہوگی اور فرمایا کہ مَیں زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کر دوں گا۔ اور یاد رہے کہ یہ الہامات اِس واسطے نہیں لکھے گئے کہ ابھی کوئی ان کو قبول کرے بلکہ اس واسطے کہ ہر یک چیز کے لئے ایک موسم اور وقت ہے۔ پس جب اِن الہامات کے ظہور کا وقت آئے گا تو اُس وقت یہ تحریر مستعد دلوں کے لئے زیادہ تر ایمان اور تسلی اور یقین کا موجب ہوگی۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدٰی۔"

(انوار الاسلام صفحہ ۵۲-۵۴)

۷۔ "یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا آزمائش کرے کہ کون اپنے دعوئے بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا اور بدبختی اس کو جہنم تک پہنچائے گی۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اُس کے لئے اچھا تھا۔ مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا اُن سے سخت کراہت کیساتھ پیش آئے گی وہ آخر فتحیاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے اُن پر کھولے جائیں گے۔"

(الوصیّت صفحہ ۱۴)

۸۔ "اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اُس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اِس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجّت اور بُرہان کی رُو سے سب پر اُن کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزّت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اِس مذہب اور اِس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا۔ اور ہر ایک جو اِس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ اگر اب مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہیں تو اس ٹھٹھے سے کیا نقصان۔ ..... پس خدا کی طرف سے یہ نشانی ہے کہ ہر ایک نبی سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا آدمی جو تمام لوگوں کے رُوبرو آسمان سے اُترے اور فرشتے بھی اُس کے ساتھ ہوں اُس سے کون ٹھٹھا کرے گا۔ پس اِس دلیل سے بھی عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مسیح موعود کا آسمان سے اُترنا محض جھوٹا

خیال ہے۔ یاد رکھو! کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی اُن میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اُن کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور اُن میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا اُن کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا زمانہ بھی گزر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دینگے

اور دُنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ مَیں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴-۶۵)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ شعبہ اشاعت کے زیر اہتمام ایک طویل عرصہ سے خالد اور تشحیذ الاذہان پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے ہماری خواہش اور کوشش رہی ہے کہ ہر خادم اور طفل تک یہ رسالے پہنچیں اور وہ ان سے استفادہ کریں۔ ان کی اشاعت میں کئی دوستوں کا تعاون ہمیں حاصل رہا ہے۔

مکرم عبد المالک صاحب خالد اور تشحیذ الاذہان کے لاہور میں کئی سالوں سے نمائندہ ہیں۔ ان کی مساعی اس سلسلہ میں بالخصوص قابلِ تعریف ہیں۔ وہ پوری ذمہ داری اور بڑے شوق سے رسائل کی اشاعت و ترقی میں سرگرم اور مستعد ہیں۔ خاکسار ان کی خدمات کے لئے ممنون ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں احسن جزا دے۔ نیز ان تمام دوستوں کو بھی اپنے فضلوں سے نوازے جو ان رسائل کی تیاری، طباعت اور اشاعت میں کسی طور پر منسلک اور کوشاں ہیں۔

میری دلی خواہش ہے کہ عبد المالک صاحب جیسے فرض شناس اور مخلص کام کرنے والے دوست آگے آئیں اور دلچسپی اور لگن کے ساتھ ان رسائل کی ترقی کا موجب بنیں۔

صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

نصائح رفیقانہ

حضرت فضل عمر کا پُر معارف منظوم کلام

دوستو! ہرگز نہیں یہ ناچ اور گانے کے دن
مشرق و مغرب میں ہیں یہ دیں کے پھیلانے کے دن

اس چمن پر جبکہ تھا دَورِ خزاں وہ دن گئے
اب تو ہیں اس باغ پر بار و بہار آنے کے دن

ظلمت و تاریکی و ضد و تعصّب مٹ چکے
آ گئے ہیں اب خدا کے چہرہ دکھلانے کے دن

جاہ و حشمت کا زمانہ آنے کو ہے عنقریب
رہ گئے تھوڑے سے ہیں اب گالیاں کھانے کے دن

ہے بہت افسوس اب بھی گر نہ ایماں لائیں لوگ
جبکہ ہر ملک و وطن پر ہیں عذاب آنے کے دن

پیشگوئی ہو گئی پوری مسیحِ وقت کی
"پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن"

اِن دنوں کیا ایسی ہی بارش ہُوا کرتی تھی یاں
سچ کہو کیا تھے یہ سردی سے ٹھٹھر جانے کے دن

دوستو! اب بھی کرو توبہ اگر کچھ عقل ہے
ورنہ خود سمجھائے گا وہ یار سمجھانے کے دن

درد و دُکھ سے آ گئی تھی تنگ اے محمود قوم
اب مگر جاتے رہے ہیں رنج و غم کھانے کے دن

(کلام محمود)

سیدنا و امامنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کا

تازہ منظوم کلام

ہم آن ملیں گے متوالو۔ بس دیر ہے کل یا پرسوں کی

تم دیکھو گے تو آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی دیر کے ترسوں کی

ہم آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ تو فرطِ طرب سے دونوں کی

آنکھیں ساون برسائیں گی۔ اور پیاس بجھے گی برسوں کی

تم دُور دُور کے دیسوں سے۔ جب قافلہ قافلہ آؤ گے

تو میرے دل کے کھیتوں میں۔ پھولیں گی فصلیں سرسوں کی

یہ عشق و وفا کے کھیت رضا کے خوشوں سے لد جائیں گے

موسم بدلیں گے۔ رُت آئے گی ساجن پیار کے درسوں کی

مرے بھولے بھالے حبیب مجھے۔ لکھ لکھ کر کیا سمجھاتے ہیں

کیا ایک اُنہی کو دُکھ دیتی ہے۔ جدائی لمبے عرصوں کی؟

یہ بات نہیں وعدوں کے لمبے لیکھوں کی۔ تم دیکھو گے

ہم آئیں گے۔ جھوٹی نکلے گی، لاف، خدا نا ترسوں کی

دُور ہو گی کلفت عرصوں کی

اور پیاس بجھے گی برسوں کی

ہم گیت ملن کے گائیں گے

پھولیں گی فصلیں سرسوں کی

نور کی شاہراہوں پہ آگے بڑھو سال کے فاصلے لمحوں میں طے کرو

کلام امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب

آئے وہ دن کہ ہم جن کی چاہت میں گنتے تھے دن اپنی تسکینِ جاں کے لیئے
پھر وہ چہرے ہویدا ہوئے جن کی یادیں قیامت تھیں قلبِ تپاں کے لیئے
جن کے اخلاص اور پیار کی ہر ادا بے نفس بے ریا دلنشیں دلربا
بے صدا جن کی آنکھوں کا کرب و بلا کربلا ہے دلِ عاشقاں کے لیئے
پھول تم پر فرشتے نچھاور کریں اور کشادہ ترقی کی راہیں کریں
آرزوئیں مری جو دعائیں کریں رنگ لائیں میرے میہماں کے لیئے
میرے آنسو تمہیں دیں رِم زندگی دُور تم سے کریں ہر غمِ زندگی
میہماں کو ملے جو دمِ زندگی تو ہے اُمرت وہی میزباں کے لیئے
نور کی شاہراہوں پہ آگے بڑھو سال کے فاصلے لمحوں میں طے کرو
خوں بڑھے میرا تم جو ترقی کرو قرۃ العین ہو ساریاں کے لیئے
میری ایسی بھی ہے ایک رودادِ غم دل کے پردے پہ ہے خون سے جو رقم
دل میں وہ بھی ہے اِک گوشۂ محترم وقف ہے جو غمِ دوستاں کے لیئے
ان کی چاہت مرا مدعا بن گیا میرا پیار ان کی خاطر دعا بن گیا
بخدا ان کا ساتھی خدا بن گیا وہ بنائے گئے آسماں کے لیئے
ایسے طائر بھی ہیں جو کہ خود اپنے ہی آشیانے کے تنکوں میں محصور ہیں
ان کی بگڑی بنا میرے مشکل کشا چارہ کر کچھ غمِ بیکساں کے لیئے

بن کے تسکین خود ان کے پہلو میں آ لاڈ کر دے انہیں لوریاں دل بڑھا
دُور کر بد بلا یا بتا کتنے دن اور ہیں صبر کے امتحاں کے لیئے

صد سالہ جشنِ تشکر کے موقع پر ایک خصوصی تحفہ

حضرت فضل عمر کا خدام الاحمدیہ سے ایک غیر مطبوعہ خطاب

مجلس خدام الاحمدیہ کے ربوہ میں پہلے سالانہ اجتماع ۱۹۴۹ء کے موقع پر

سیدنا حضرت فضلِ عمر نوّر اللہ مرقدہٗ کا نوجوانانِ احمدیت سے

بصیرت افروز خطاب

مجلس خدام الاحمدیہ کی گزشتہ جدّوجہد پر تبصرہ اور آئندہ کے متعلق ضروری ہدایات

فرمودہ ۳۰؍ اکتوبر ۱۹۴۹ء بمقام ربوہ

مجلس خدام الاحمدیہ کے بانی سیّدنا حضرت فضلِ عمر نوّر اللہ مرقدہٗ نے ۳۰؍ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کے پہلے سالانہ اجتماع منعقدہ ربوہ میں ایک اہم تقریر فرمائی تھی۔ یہ تقریر ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ ادارہ خالد اپنے قارئین کے لیے اس تقریر کو شائع کرنیکی غیر معمولی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا۔ خدام الاحمدیہ کی مجلس کا قائم کرنا اس نیت سے تھا کہ نوجوانوں میں روحانیت پیدا ہو اور وہ اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل بنیں جو جماعت احمدیہ کے قائم کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کندھوں پر رکھا ہے اور اپنے وقت پر وہ (دین حق۔ ناقل) کے جھنڈے کو اونچا رکھ سکیں۔ ہماری جماعت کوئی سیاسی جماعت نہیں، ہمارے مقاصد کوئی سیاسی مقاصد نہیں۔ سیاست بے شک مذہب کے پیچھے آیا کرتی ہے اور بے شک سچے مذہبوں کے نتیجہ میں سیاست مذہب کی غلامی اختیار کیا کرتی ہے مگر مذہب اور مذہبی جماعتیں کبھی بھی سیاست کی غلام نہیں بنیں۔ کبھی بھی سیاسی کاموں میں مشغول نہیں ہوئیں۔ وہ اس سیاست کے ساتھ

عملی دلچسپی رکھتی ہیں جو مذہب کے تابع ہو کر چلتی ہے۔ اور جب تک سیاست مذہب کے تابع ہو کر نہیں چلتی وہ اپنے آپ کو سیاست سے آزاد رکھتے ہیں خواہ ان کو کسی خاص سیاست سے دلچسپی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ دوسروں کو کام کرنے دیتے ہیں۔ سچے کارکنوں سے وہ ہمدردی رکھتے ہیں۔ خدمت گزاروں سے وہ تعاون کرتے ہیں۔ قوم کے فکر کو بلند کرنے اور قومی فکر کے ارتقاء کا خیال رکھنے والوں کے لیئے وہ ہمیشہ دعائیں کرتے ہیں مگر عملاً وہ سیاست میں حصہ لینے کے لیئے تیار نہیں ہوتے۔ کیونکہ سیاست کی بنیاد مذہب پر نہیں ہوتی بلکہ وہ آزاد ہو کر کام کر رہی ہوتی ہے اور مومن کسی ایسے کام میں عملی طور پر حصہ لینے کے لیئے تیار نہیں ہوتا جو خدا اور اُس کے رسول ؐ کی غلامی سے باہر ہو اور جس کی گردن پر اُن کی اطاعت کا جُوا نہ ہو۔

بہرحال ہماری جماعت ایک روحانی جماعت ہے اور ہماری ہر تحریک کی بنیاد مذہب اور روحانیت پر ہوتی ہے۔ اِسی نقطۂ نگاہ کے ماتحت مَیں نے مجلس خدام الاحمدیہ کی بنیاد رکھی۔ اِس مجلس کے قیام کی غرض یہ تھی کہ نوجوانوں کو اِس قسم کی تربیت حاصل ہو کہ وہ دینی معاملات میں زیادہ دلچسپی لینے لگیں۔ ان کے اندر روحانیت پیدا ہو۔ عبادات کی طرف ان کی زیادہ توجہ ہو اور وہ فرائض جو بنی نوع انسان کی خدمت کے لیئے نازل ہوئے ہیں اُن کی وہ زیادہ اچھی طرح اتباع کرنے لگیں۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میری غرض ابھی تک اُس رنگ میں پوری نہیں ہوئی جس رنگ میں مَیں چاہتا تھا کہ پوری ہو۔

اور خدام الاحمدیہ نے اپنے فرض کو اُس رنگ میں ادا نہیں کیا جس رنگ میں مَیں چاہتا تھا کہ ادا ہو۔ تنظیم ہوئی، جلسوں کے موقعوں پر خدام آگے بھی آئے، ان کے سالانہ جلسے پہلے سے زیادہ کامیاب بھی ہوئے ایک حد تک خدام الاحمدیہ کی مجالس بھی جماعت میں قائم ہوئیں اور ایک حد تک نوجوان اس میں داخل بھی ہوئے لیکن وہ مذہبی رُوح جس کے قائم کرنے کے لیئے اُسے بنایا گیا تھا۔ کم از کم اُس حد تک مجھے نظر نہیں آئی جس حد تک مَیں سمجھتا ہوں کہ اُس رُوح کو قائم کرنا ایک مذہبی ادارے کا خاصہ ہونا چاہیئے اور جو فوائد مَیں اس مجلس کے قیام سے چاہتا تھا یعنی یہ کہ نوجوانوں میں بیداری ہو اُن کے دلوں میں ذکرِ الٰہی کی رغبت ہو، اُن کے دلوں میں تہجد پڑھنے کی رغبت ہو، اُن کے دلوں (دعوت الی اللہ۔ ناقل) کی رغبت ہو، ان کے دلوں میں قربانی اور ایثار کی رغبت ہو اور ان کے دلوں میں دین کے لیئے زیادہ سے زیادہ زندگیاں وقف کرنے کی رغبت ہو، یہ چیز مجھے ابھی تک نظر نہیں آئی۔ باوجود اس کے کہ میری آنکھ اس معاملہ میں ایسی ہی ہے جیسی ایک ماں کی آنکھ اپنے بچّے کے متعلق ہوتی ہے۔ کئی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں دوسرا نہیں دیکھ سکتا لیکن ماں اپنے بچّے میں دیکھ لیتی ہے۔ ماں وہاں بھی اپنے بچّے میں خوبی دیکھتی ہے جہاں کسی اَور کو کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ ماں وہاں بھی اپنے بچّہ میں ہونہار ہونے کی علامتیں دیکھتی ہے جہاں کسی اَور کو وہ علامتیں نظر نہیں آتیں۔ مگر جب ماں کو بھی ترقی کی کوئی علامت نظر نہ آئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ضرور کوئی بنیادی

خرابی ہے جس کا دُور کرنا ضروری ہے۔ پس اِن حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ خدام الاحمدیہ کی موجودہ تنظیم کو بدل کر ایک نئے رنگ میں ڈھال دیا جائے اور آئندہ سے یہ کوشش کی جائے کہ جو حقیقی غرض مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی تھی یعنی روحانیت کی طرف زیادہ توجہ، مذہب کے عملی حصہ کی زیادہ سے زیادہ اتباع، عقائد کے اندر زیادہ سے زیادہ مضبوطی، یہ چیزیں حاصل ہوں اور زیادہ سے زیادہ یہ تمام امور خدام کے سامنے رہیں۔

پس اِس امر کو مدّنظر رکھتے ہوئے مَیں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ مجلس خدام الاحمدیہ کا مَیں خود صدر ہوں گا اور جس طرح شوریٰ کی مجلس میری صدارت میں ہوتی ہے اور جماعت کے نمائندگان میری موجودگی میں کام کرتے ہیں اسی طرح خدام الاحمدیہ کے اجلاس بھی آئندہ میری صدارت میں ہُوا کریں سوائے اس کے کہ خاص موقعوں پر مَیں مجبور ہوں کہ کسی اَور کو مقرر کروں۔ ....

..... بہرحال میرے علم میں بہت ہی کم مجالس ایسی آئی ہیں جو صحیح طور پر کام کرنے والی ہوں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اب اِس انتظام کو صحیح طور پر چلایا جائے چنانچہ

(۱) پہلا قدم جو اصلاح کے لیئے مَیں نے اُٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ آئندہ مَیں خود اِس مجلس کا صدر ہوں گا۔ مگر

(۲) چونکہ میرے کام اِس قسم کے ہیں کہ مَیں ہر ایک بات کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکتا اس لیئے میرا ایک نائب صدر ہوگا اور اس کا کام یہ ہوگا کہ وہ تنفیذِ احکام کرے گا۔ مَیں حکم دوں گا اور نائب صدر کا یہ کام ہوگا کہ وہ اُن احکام کو نافذ کرے اور اُن کی روح کے مطابق خدام کی جماعتوں کو زیادہ سے زیادہ منظم کرے۔ یہ صدر مرکزی مجلس کا ممبر بھی ہوگا اور اِدھر سے نائب صدر بھی ہوگا۔

(۳) آئندہ خدام الاحمدیہ کا ایک مستقل جنرل سیکرٹری مقرر کیا جائے گا جیسے ناظر ہوتے ہیں۔ اس کے سپرد دفتر کی نگرانی ہوگی۔ مجالس سے کام لینا ہوگا اور خط وکتابت وغیرہ کرنی ہوگی۔ یہ بھی مرکزی مجلس کا ممبر ہوگا۔ اس جنرل سیکرٹری کے لیئے شرط نہیں ہوگی کہ وہ چالیس سال کے بعد ریٹائر کر دیا جائے۔ کیونکہ اس کے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر کام کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جا سکتا ہے۔

(۴) آئندہ ہر صوبہ جس میں مجالس کا نمبر کافی ہو اس میں ایک نائب صدر مقرر ہوگا جو صوبہ کی نگرانی کرے گا۔ گویا ایک مرکزی نائب صدر ہوگا جو صدر کی ہدایات کے ماتحت مجالس کی نگرانی کرے گا جہاں کہیں بھی ہوں۔ اور ایک نائب صدر صوبجاتی ہوگا جو صوبہ کا نگران ہوگا۔ یہ صوبجاتی نائب صدر بھی مرکزی مجلس کے ممبر ہوں گے اور ان کا تقرر صوبجاتی مجالس کے مشورہ سے صدر کرے گا۔ تین نام وہ پیش کریں گے ان میں سے کسی کا انتخاب کیا جائیگا۔ یا پھر صدر اس انتخاب کو ردّ کر دے گا اور کہیگا کہ دوبارہ نام پیش کرو مجھے اِن تینوں میں سے کسی پر بھی تسلّی نہیں۔ اور ہر صوبہ کا جہاں ایسی مجالس

زیادہ ہوں ایک مستقل سیکرٹری مقرر ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ وہ دورہ کر کے مجالس کے انتظام کو دیکھتا رہے۔

(۵) حسبِ گنجائش مرکز کی طرف سے انسپکٹر مقرر کیئے جائیں گے جن کا کام یہ ہوگا کہ وہ مختلف مجالس کا معائنہ کر کے مفید مشورے دیں اور مجالس کے کام کی رپورٹیں پیش کریں۔

(۶) ہر سال دو دفعہ ایک خاص تربیتی کورس مقرر کر کے مرکز میں ٹریننگ کیمپ کھولا جائیگا جس میں مختلف جماعتوں کے نمائندے شامل ہوں گے۔ وہ چودہ دن صبح و شام کیمپ میں رہیں گے۔ اور ان کو یہ سکھایا جائے گا کہ انہوں نے کس طرح کام کرنا ہے اور وہ کس طرح جماعتوں کو منظم کر سکتے ہیں یا کونسی روح ہے جو انہیں جماعتوں میں پیدا کرنی چاہیئے۔ یہ نمائندے باری باری آئیں گے۔ فی الحال یہ ٹریننگ کیمپ سال میں دو دفعہ کھولا جائے گا لیکن ہو سکتا ہے کہ ہم اسے بڑھاتے ہوئے پانچ سات دفعہ تک لے جائیں۔ کیمپ کھولنے سے پہلے اعلان کیا جائے گا کہ فلاں تاریخ کو تربیتی کورس شروع ہوگا ہر جماعت اتنے اتنے لڑکے ٹریننگ کیلئے بھجوا دے۔ یہ کیمپ شہر سے باہر رہنے کا پہلے سے اس کے متعلق کورس مقرر کیا جائے گا، استاد مقرر ہوں گے جو مختلف قسم کے علوم کو جاننے والے ہوں گے۔ اور وہ ایسی باتیں سکھائیں گے جو دینی تربیت اور روحانی تربیت

یا جماعتی تربیت کے لیئے ضروری ہوں گی۔

(۷) خدام کو اپنا بجٹ خود پورا کرنا ہوگا۔ جو چیزیں مَیں نے بتائی ہیں اُن پر اخراجات کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اس لیئے ضروری ہوگا کہ خدام اپنا بجٹ خود پورا کریں۔ اس کے لیئے مَیں یہ تجویز کرتا ہوں کہ جو خدام برسرِکار ہیں یعنی ملازم، تاجر یا زمیندار ہیں وہ اپنی آمد میں سے فی روپیہ ایک پائی خدام کے لیئے چندہ دیا کریں یعنی سَو روپیہ جس کی آمد ہے وہ سَوا آٹھ آنے ماہوار چندہ دے اور جو اس قسم کے نہیں اُن سے حسبِ توفیق چندہ لیا جائے گا۔ اس کے متعلق قواعد بھی بعد میں بنائے جائیں گے۔

سکولوں کے جو احمدی طلباء ہیں اُن سے بترتیب ڈیڑھ آنہ چندہ لیا جائے گا۔

یعنی پرائمری میں تعلیم پانے والوں سے دو پیسے۔ مڈل میں تعلیم پانے والوں سے ایک آنہ اور ہائی کلاسز میں تعلیم پانے والوں سے ڈیڑھ آنہ۔ کالج کے طلباء سے اوسطاً چار آنے ماہوار چندہ لیا جائے گا۔

(۸) عہدیداران کے لیئے آئندہ بعض شرائط ہونگی جن کے متعلق نگرانی کی جائے گی کہ آیا جماعت نے اُن کا خیال رکھا ہے یا نہیں۔

(ا) پہلی شرط یہ ہے کہ عہدیدار کے لیئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ نماز باجماعت کا پابند ہو۔ ووٹ دینے سے پہلے جماعت کو بحث کرنی ہوگی اور اُسے یہ گواہی دینی پڑے گی کہ ہم کو معلوم ہے کہ یہ شخص پانچ وقت نماز (بیت الذکر۔ ناقل) میں

پڑھتا ہے سوائے اس کے کہ بیمار یا مجبور ہو۔ ووٹ دینے سے پہلے ہر شخص کو شہادت دینی پڑے گی کہ میں علیٰ وجہ البصیرت یہ گواہی دیتا ہوں کہ یہ شخص نماز کا پابند ہے صرف نماز کا نہیں بلکہ باجماعت نماز کا پابند ہے مگر باجماعت نماز پڑھنے کے یہ معنی نہیں کہ صرف (بیت الذکر ناقل) میں نماز پڑھتا ہو۔ کئی جگہیں ایسی ہیں جہاں (بیوت الذکر۔ ناقل) نہیں اس لیئے (بیت الذکر۔ ناقل) میں نماز پڑھنا شرط نہیں۔ اگر (بیت الذکر۔ ناقل) ہے تو اس کا (بیت الذکر ناقل) میں نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔ لیکن اگر (بیت الذکر۔ ناقل) نہیں تو اس صورت میں بھی یہ لازمی بات ہے کہ اگر کسی جگہ پانچ (احمدی ناقل) بھی اکٹھے ہوں تو وہ ایک جگہ مقرر کریں اور وہاں باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کریں۔ اس کے بغیر کوئی (احمدی۔ ناقل) صحیح طور پر (احمدی۔ ناقل) نہیں بن سکتا۔ چاہے وہ کسی دوست کا کمرہ ہو یا عام جگہ ہو جو افتادہ پڑی ہوئی ہو۔ بہرحال جہاں بھی پانچ چار تین بلکہ دو احمدی بھی جمع ہوں وہاں کسی ایک مقام پر ان کا اکٹھے ہو کر نماز باجماعت پڑھنا ضروری ہے اور خدام الاحمدیہ کے عہدیداران خصوصاً نائب صدر کے انتخاب کے لیئے ضروری ہوگا کہ صرف ایسے شخص کو ہی منتخب کیا جائے جو پانچ وقت کی نمازیں الا ماشاء اللہ باجماعت ادا کرتا ہو اور جب کبھی دوبارہ انتخاب ہو تب بھی خدام کو پہلے یہ بحث کرنی ہوگی کہ آیا واقعہ میں یہ سارا سال باجماعت نمازیں پڑھتا رہا ہے یا نہیں۔ انہیں اس پر تقریریں بھی کرنی ہوں گی اور اگر وہ سست ہوگا تو انہیں بتانا پڑے گا کہ یہ نمازیں (بیت الذکر۔ ناقل) میں ادا نہیں کرتا اس لیئے اسے منتخب نہ کیا جائے۔

(ب) اسی طرح عہدیدار کے لیئے ضروری ہوگا کہ وہ تہجد کے دوامی طور پر پڑھنے کی کوشش کرتا ہو۔ یہ خود اس سے گواہی لی جائے گی کہ یہ بتاؤ کہ تم تہجد پڑھتے ہو یا نہیں۔

(ج) چندہ باقاعدہ دیتا ہو۔

(ہ) اس کی راست بازی اور غرباء پروری ثابت ہو۔ یہ بات ثابت ہو کہ خطرناک سے خطرناک مواقع پر بھی خواہ اس کے باپ پر زد پڑتی ہو، خواہ ماں پر زد پڑتی ہو، خواہ بیٹے پر زد پڑتی ہو، خواہ بھائی پر زد پڑتی ہو وہ سچی گواہی دینے سے نہیں ہچکچاتا۔ مگر یاد رکھو سچ بولنے کے یہ معنی ہیں کہ جب تم سے گواہی لی جائے تو تم سچ بولو۔ مثلاً اگر افسر پوچھتا ہے کہ کیا تم نے فلاں کو گالی دیتے سنا ہے اور تمہیں اس کا علم ہے تو تمہارا فرض ہے کہ سچی سچی بات بتادو لیکن وہ شخص جو آپ ہی آپ کسی کا عیب بیان کرنا شروع کر دیتا ہے اسے سچ بولنا نہیں کہتے بلکہ غیبت کہتے ہیں اور یہ گناہ کی بات ہے۔

(و) وہ خود بھی نظام کا پابند ہو۔ مثلاً خدام الاحمدیہ کا زعیم یا قائد یا نائب صدر مقامی انجمن کے پریذیڈنٹ کے ماتحت ہے۔ اب اگر شہر کا پریذیڈنٹ اسے کوئی حکم دیتا ہے اور وہ کہتا ہے

کہ مَیں اس کی تعمیل نہیں کر سکتا تو خدام کو فوراً فوراً جلسہ کر کے اس کے خلاف رپورٹ کرنی چاہیئے اور کہنا چاہیئے کہ اسے عہدہ سے الگ کر دیا جائے۔ کیونکہ جو آپ نظام کا پابند نہیں وہ دوسروں کو کس طرح پابند بنا سکتا ہے۔

(۹) سال میں ایک میٹنگ عہدیداروں کی ہوا کریگی جس میں قواعد اور کام کرنے کے طریقوں پر غور کیا جائے گا۔

یہ وہ ہدایتیں ہیں جو مَیں اس وقت دیتا ہوں باقی اس میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے لیئے تفصیلات کی ضرورت ہے مگر تفصیلات بعد میں طے ہوتی رہیں گی۔ مَیں چونکہ خود اس مجلس کا صدر ہوں گا جیسے مجلس شوریٰ کا صدر ہوتا ہوں اس لئے لازماً اپنی پالیسی بیان کرنے کے لیئے اس اجتماع کے مختلف موقعوں پر اگر میری صحت اچھی ہوئی اور موقع ملا تو تمہارے اندر مَیں اور بھی تقریریں کرونگا خدام الاحمدیہ کا مرکزی ادارہ اپنا سارا پروگرام میرے سامنے پیش کرے تا کہ مَیں دیکھ لوں کہ کون کون سے وقتوں میں میرے لیئے تقریر کرنا سہل ہے۔

جیسا کہ مَیں نے اعلان کیا ہے مجلس خدام الاحمدیہ کا صدر مَیں خود ہوں گا مگر چونکہ ایک لمبے عرصہ تک مرزا ناصر احمد کام کرتے رہے ہیں اس لیئے اس سال نائب صدر کے طور پر مَیں مرزا ناصر احمد کو مقرر کرتا ہوں تا کہ جس رنگ میں انہوں نے کام کیا ہے وہ مجھے سمجھا سکیں۔ اگلے سال مَیں خود غور کر لوں گا اور اگر سمجھوں گا کہ ان کی ضرورت نہیں رہی تو ان کی جگہ کسی نئے آدمی کو مقرر کر دوں گا۔ میرے نزدیک اب نئے آدمیوں کو آگے لانے کی ضرورت ہے۔ صرف (امامت۔ ناقل) کا عہدہ جو خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے ایک ایسا عہدہ ہے جس پر قائم ہونے والا انسان الگ نہیں کیا جا سکتا باقی سب عہدوں میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ نئے آدمی آگے لائے جائیں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر مَیں نے دیکھ لیا کہ تمام کام مَیں نے سمجھ لیا ہے تو جیسا کہ قاعدہ ہے وہ انصار میں شامل ہو جائیں گے اور پھر کوئی اور نائب صدر مقرر کر دیا جائے گا۔ بہرحال چونکہ یہ نیا کام ہے اس لیئے پچھلے تجربہ سے فائدہ اٹھانے کے لیئے مَیں مرزا ناصر احمد کو نائب صدر مقرر کرتا ہوں۔ مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اب ان کا کام میرے احکام کی تنفیذ کرنا یا مجلس کے احکام کی تنفیذ کرنا ہوگا۔ اسی طرح مجالس کی صحیح طور پر نگرانی کرنا، دفتر کو دیکھنا، جنرل سیکرٹری وغیرہ کے کام پر نظر رکھنا کہ وہ تندہی کے طور پر کام کر رہے ہیں یا نہیں ان کا کام ہوگا۔ ان کا یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ خود راہنمائی کریں۔ راہنمائی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ ان کا کام صرف تنفیذ کرنا ہوگا۔

اب رہا جنرل سیکرٹری کا نام۔ سو جنرل سیکرٹری کے لئے مَیں آپ لوگوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ اپنی کسی میٹنگ میں مشورہ کر کے مجھے رپورٹ کریں کہ وہ کس آدمی کو سیکرٹری کے کام کے لیئے مناسب سمجھتے ہیں۔ سیکرٹری پورے وقت کا ہوگا۔ اور سیکرٹری تنخواہ دار مستقل کارکن ہوگا۔ اگر تمہارے اندر کوئی اچھا کارکن ہو تو اس کا نام

سُننے اور حالات دیکھنے کے بعد اس بارہ میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال سیکرٹری ایسا ہونا چاہیئے جس کو کام کا تجربہ ہو۔ اسی طرح سیکرٹری کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ علمی قابلیت بھی رکھتا ہو۔ اگر تمہاری طرف سے مجھے اس کام کا اہل کوئی نہ مل سکا تو پھر جنرل سیکرٹری بھی میں خود مقرر کردوں گا جیسے ناظر اور وکیل مقرر کیئے جاتے ہیں مگر اس کے لئے عمر کی شرط نہ ہوگی۔ وہ مستقل طور پر کام کرنے والا ہوگا چاہے کسی وقت اُسے اس جگہ سے بدل کر وکالت تحریک جدید یا نظارت صدر انجمن احمدیہ میں ہی کیوں نہ بھجوا دیا جائے۔ درحقیقت یہ جنرل سیکرٹری صرف تنظیمی کام کے لیئے ہوگا خدام الاحمدیہ کے اصلی حصّہ کے طور پر نہیں ہوگا۔ پس اپنی کسی مجلس میں غور کرکے اس کام کے لیئے کوئی موزوں شخص پیش کرو۔ میں نائب صدر اور خدام الاحمدیہ کے مرکزی ادارہ کو ہدایت کرتا ہوں کہ اگر اس بارہ میں وہ کوئی نام پیش کرنا چاہیں تو میں اس پر غور کرنے کے لیئے تیار ہوں لیکن اگر وہ کوئی نام پیش کرنے کے لیئے تیار نہ ہوں تو پھر واقفین زندگی میں سے کسی کا انتخاب کرکے اُسے مستقل سیکرٹری مقرر کر دیا جائے گا۔

آخر میں مَیں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ احمدی نوجوان کے یہ معنے ہیں کہ اس کی زبان قابو میں ہو۔ احمدی نوجوان کے یہ معنے ہیں کہ وہ محنتی ہو۔ احمدی نوجوان کے یہ معنے ہیں کہ وہ وقت ضائع کرنے والا نہ ہو۔ احمدی نوجوان کے یہ معنے ہیں کہ وہ نماز کا پابند ہو۔ احمدی نوجوان کے یہ معنی ہیں کہ وہ قربانی اور ایثار کا مادہ رکھنے والا ہو۔ احمدی نوجوان کے یہ معنی ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین کرنے والا ہو۔ احمدی نوجوان کے یہ معنی ہیں کہ وہ کلمۂ حق پہنچانے میں نڈر ہو اور سچی بات کہنے میں اُسے کوئی خوف اور ڈر نہ ہو۔ یہ باتیں اگر تم میں آجائیں تو پھر رائٹ لیفٹ کی بھی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص میدانِ جنگ میں جاکر خالی نمازیں پڑھنا شروع کردے تو وہ نمازیں اس کے کام نہیں آسکتیں لیکن بہرحال یہ ضمنی چیزیں ہیں۔ اگر تم انہی کو مقدّم کرلو تب بھی غلطی کروگے اور اگر ان کو بھول جاؤ تب بھی غلطی کروگے۔

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

موقع و محل تمہیں بہرحال دیکھنا پڑے گا اور تمہیں یہ امر مدّنظر رکھنا پڑے گا کہ جو چیز مقدّم ہے وہ مقدّم ہے اور جو مؤخر ہے وہ مؤخّر ہے۔

نظامِ خدّام الاحمدیّہ کے متعلّق حضرت فضلِ عمرؓ کے بعض غیر مطبوعہ ارشادات

فرمودہ یکم نومبر ۱۹۴۹ء بمقام ربوہ

فرمایا :۔
مَیں نے پرسوں اعلان کیا تھا کہ آئندہ خدام الاحمدیہ کا صدر مَیں خود ہوں گا اور ایک نائب صدر ہو گا۔ کیونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ مَیں تفصیلات میں دخل دے سکوں۔ شاید بعض لوگ جو نمبرداری مزاج کے ہوتے ہیں وہ اس کے یہ معنے لے لیں کہ نائب صدر کے احکام ماننے ان کے لئے ضروری نہیں ہونگے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ پھر مجھے صدر کی صورت میں وہ تمام کام کرنے پڑیں گے جو پہلا صدر کیا کرتا تھا اس لئے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ میرا کام ہے کہ میں نائب صدر یا مرکزی مجلس کی نگرانی رکھوں اور ان کو کسی کام سے روکوں یا کسی کام کے کرنے کا حکم دوں یا غلطی کریں تو ان سے بازپرس کروں اُن کو بہرحال نائب صدر یا مرکزی انجمن کی طرف سے جو حکم بھی ملے گا اس کی انہیں ویسی ہی پابندی کرنی پڑے گی جیسی میرے احکام کی پابندی نائب صدر اور مرکزی انجمن کے لئے ضروری ہو گی۔ یہ قطعاً سُنا نہیں جائے گا کہ اب چونکہ تنظیم بدل چکی ہے اس لئے نائب صدر کے احکام کو ماننا ضروری نہیں رہا۔ اگر نائب صدر یا مرکزی انجمن کسی معاملہ میں مجھ سے مشورہ نہیں لیں گے یا میری راہنمائی کے مطابق نہیں چلیں گے تو مَیں ان سے پوچھوں گا تم سے نہیں پوچھوں گا۔ لیکن تم سے یہ ضرور پوچھا جائے کہ جو افسر تم پر مقرر ہیں ان کی تم نے کس رنگ میں فرمانبرداری کی ہے۔

مَیں نے غور کرنے کے بعد یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ خدام الاحمدیہ کا جو نائب صدر ہو گا اور جس کے لئے مَیں نے ایک نام بھی تجویز کر دیا ہے وہ اور اسی طرح لجنہ اماء اللہ کا ایک نمائندہ مگر وہ مرد ہو گا، صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے ممبر ہُوا کریں گے تاکہ وہ براہِ راست صدر انجمن احمدیہ سے تعلق رکھ سکیں اور تا آئندہ اس قسم کے جھگڑے جو بعض جماعتوں میں پیدا ہوتے ہیں کہ مقامی امیر کہتے ہیں ہماری اطاعت نہیں کی جاتی یا ہماری بات نہیں

مانی جاتی وہ بھی ختم ہو جائیں۔ اسی طرح ہر مقامی جماعت میں جو قائد ہو گا وہ مقامی امیر کی مجلس شوریٰ کا لازماً ایک ممبر ہوا کرے گا۔ چنو گے تم، مگر لازمی طور پر وہ مقامی امیر کی مجلس شوریٰ کا ممبر ہو گا۔

اسی طرح خدام الاحمدیہ کے نائب صدر کے متعلق ہمیشہ اور بالالتزام یہ سمجھا جائے گا کہ وہ ایک ناظر ہے اور ایک وکیل ہے۔ ناظر کی حیثیت میں وہ صدر انجمن احمدیہ کا ممبر ہو گا اور وکیل کی حیثیت میں وہ تحریک جدید کا ممبر ہو گا۔ اسی طرح تمہاری ضروریات اور معاملات صدر انجمن احمدیہ کے سامنے پیش ہوتے رہیں گے۔

مالی تحریکوں کے متعلق لجنہ اماء اللہ کو اجازت ہے کہ وہ اپنے کاموں کے لیئے خود چندہ کر لے اسی طرح غالباً خدام بھی کرتے ہیں مگر آئندہ کے لیئے اس پر کچھ پابندی عائد کی جائے گی۔ جب دونوں کی صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید میں نمائندگی ہو گی۔ ایک لجنہ کا ناظر ہو گا اور ایک خدام کا تو لجنہ اماء اللہ کی ممبرات کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آئے گا وہ اپنے ناظر کو لکھیں گی اور وہ ان کی طرف سے صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید میں معاملہ پیش کرے گا۔ اسی طرح تمہارا ایک نمائندہ ہو گا جو صدر انجمن احمدیہ اور تحریک میں تمہارے معاملات کی نگرانی کرے گا ان دونوں نمائندوں کو جب کبھی اپنی مجلس کے لیئے کسی چندہ کی تحریک کی ضرورت ہو تو بھاری چندہ کی تحریک کرنے کی ان کو آپ ہی آپ اجازت نہیں ہو گی بلکہ نظم کو برقرار رکھنے کے لیئے تمہارا نمائندہ ناظر (مال ناقل) کے آگے تجویز رکھے گا اگر اس کی رائے تمہاری رائے سے متفق ہو جائے گی تو خدام الاحمدیہ کو اس

چندے کے لیئے اعلان کرنے کی اجازت ہو گی۔ اور اگر ناظر (مال۔ ناقل) کو تمہاری تجویز کے ساتھ اتفاق نہ ہوا تو پھر بجائے یہ لمبا طریق اختیار کرنے کے کہ وہ معاملہ صدر انجمن احمدیہ یا تحریک جدید میں جائے اور پھر اُن کے غور کے بعد (امام۔ ناقل) وقت کے پاس پہنچے وہ دونوں براہِ راست اپنے نوٹ (امام جماعت ناقل) کے پاس بھجوا دیں گے اور وہ غور کرنے کے بعد اگر مناسب سمجھے گا تو اجازت دے دیگا اور اگر مناسب نہیں سمجھے گا تو رد کر دے گا یا اس میں کوئی مناسب ترمیم کر دے گا۔ دونوں انجمنوں کو خدام کو بھی اور لجنہ اماء اللہ کو بھی پانچ ہزار روپیہ تک چندہ جمع کرنے کے لیئے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہو گی۔ پانچ ہزار تک کی تحریک وہ خود کر سکتے ہیں اس سے اوپر کے لیئے ضروری ہو گا کہ وہ باقاعدہ اجازت حاصل کریں۔ اسی طرح جو مقررہ چندہ ہوتا ہے جیسے ماہوار چندہ ہے اس کے لیئے بھی کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہو گی۔ یہ قاعدہ میں ہی آجاتا ہے مثلاً ایک پائی فی روپیہ جو میں نے چندہ عائد کیا ہے یہ اب قاعدہ مقرر ہو چکا ہے اس کے لیئے کسی علیحدہ اجازت کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح لجنہ اماء اللہ کی جو ممبرات ہیں وہ اگر اپنے لیئے کوئی لازمی اور دائمی چندہ مقرر کریں تو اس کی منظوری کی بھی انہیں ضرورت نہیں ہو گی۔ ہاں ناظر (مال۔ ناقل) کسی وقت یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ یہ چندہ زیادہ ہے اس سے کم کر دیا جائے کیونکہ اس کا دوسرے چندوں پر اثر پڑے گا۔ ایسی صورت میں وہ (امام) وقت کے سامنے معاملہ پیش کر کے تصفیہ کرا سکتا ہے۔ بہرحال ماہوار چندوں

اور پانچ ہزار سے کم چندہ کے لیئے ناظر (مال۔ ناقل) کے سامنے معاملہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس سے زیادہ چندہ کی اگر ضرورت ہو تو پھر ناظر (مال۔ ناقل) کے سامنے معاملہ رکھنا ضروری ہوگا اور اگر اختلاف واقع ہو تو (امام۔ ناقل) وقت کے سامنے پیش کر کے اسے دُور کیا جا سکتا ہے۔

خدام الاحمدیہ کے عہد میں تبدیلی

حضور نے یہ بھی فرمایا کہ خدام الاحمدیہ کا پہلا عہد یہ تھا کہ مَیں اقرار کرتا ہوں کہ قومی اور ملی مفاد کی خاطر مَیں اپنی جان، مال اور عزت کو قربان کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہوں گا مگر اب مَیں اس میں تبدیلی کر کے "وقت" کو بھی شامل کرتا ہوں۔ آئندہ کے لیئے خدام الاحمدیہ کا عہد یہ ہوگا :-

"مَیں اقرار کرتا ہوں کہ قومی اور ملی مفاد کی خاطر مَیں اپنی جان، مال، وقت اور عزت کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہوں گا"

خدام الاحمدیہ کا ایک نیا بیج

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے حضور نے ایک اہم ارشاد بیج کے متعلق بھی فرمایا حضور نے فرمایا :-

"خدام کا ایک بیج ہوا کرتا تھا جسے وہ سینہ پر لگایا کرتے تھے مگر اب بہت کم نوجوانوں نے وہ بیج لگایا ہوا ہے مَیں مرکزی ادارے کو حکم دیتا ہوں کہ وہ فوراً تحقیقات کریں اور تین مہینہ کے اندر اندر میرے پاس رپورٹ کریں کہ آیا وہ بیج تیار ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر تیار ہو سکیں تو کپڑے کا ایک بیج بنوا لیا جائے جو ہر خادم کے کندھے پر لگا ہوُا ہو اور اس پر یہ علامت درج ہو۔

خا

سائز دو انچ کافی ہے۔ یعنی دو انچ لمبا اور دو انچ چوڑا۔ زمین سفید ہو اور خ الف سُرخ سیاہی سے لکھا ہوُا ہو۔ خ خادم کی اور الف احمدیت کی علامت ہے یعنی "خادم احمدیت" مگر خ اور الف کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ ہوگا یہ ظاہر کرنے کے لیئے کہ خ خادم کی ہے اور الف احمدیت کا۔ تین مہینہ کے اندر اندر اس کے متعلق رپورٹ آنی چاہیئے"۔

ایک خادم نے سوال کیا کہ یہ بیج مربع ہو یا گول؟ حضور نے فرمایا :-

"زیادہ سہولت مربع میں رہتی ہے۔ گول کاٹنا شاید مشکل ہو"۔

صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید جڑھ ہیں اور خدام الاحمدیہ شاخ

جڑھ کو شاخ پر قربان نہیں کیا جا سکتا

(غیر مطبوعہ تقریر حضرت فضل عمر بر موقعہ سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ فرمودہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۵-۳۶)

فرمایا :-

"یہاں جو کارکن ہیں وہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے کارکن نہیں وہ دراصل دوسرے صیغوں کے کارکن ہیں۔ وہ صیغے انہیں کام معاف کر دیں تو وہ باہر جائیں۔ ...... جب تک مالی حالت اچھی نہ ہو اور مہتمم مستقل طور پر مقرر نہ کیئے جائیں اُس وقت تک ہمیں صرف انسپکٹروں پر ہی کفائیت کرنی چاہیئے۔ اگر بڑی بڑی جماعتیں جلسہ کریں اور ایک دو دن کے لیئے وہاں کوئی مہتمم چلا جائے تو ایسا کرنا ممکن ہے۔ خدام الاحمدیہ کو ضلعوار جلسے کرنے چاہئیں۔ بیداری اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ان جلسوں میں شرکت کے لیئے مرکزی کارکن ایک دو دن کے لیئے چلے جائیں۔ ورنہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے مرکزی دفتروں کو اُن کے مستقل دوروں سے نقصان پہنچتا ہے۔ آپ شاخ ہیں اور وہ جڑھ۔ شاخ کو جڑھ پر قربان کیا جا سکتا ہے جڑھ کو شاخ پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ ....."

{تقریر سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ فرمودہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۵-۳۶ غیر مطبوعہ}

"آپ لوگ خدام پیچھے ہیں اور احمدی پہلے ہیں"

(تقریر ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۵۵ غیر مطبوعہ)
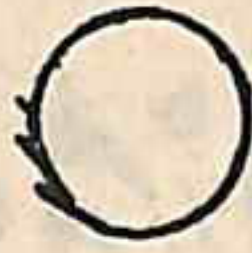
نہ ترا خدا کوئی اور ہے، نہ مرا خدا کوئی اور ہے
یہ جو قسمتیں ہیں جدا جدا، یہ معاملہ کوئی اور ہے

ترا جبر ہے مرا صبر ہے، تری موت ہے مری زندگی
مرے درجہ وار شہید ہیں، مری کربلا کوئی اور ہے

کئی لوگ تھے جو بچھڑ گئے، کئی نقش تھے جو بگڑ گئے
کئی شہر تھے جو اجڑ گئے، ابھی ظلم کیا کوئی اور ہے؟

تمہی قاتلوں کے گواہ تھے، تمہی شاہ و میر و سپاہ تھے
مگر آج دیکھ لو وقت نے، کیا فیصلہ کوئی اور ہے

نہ تھا جس کو خانۂ خاک یاد، ہوا اندرِ آتش و ابروباد
کہ ہر ایک دن سے الگ ہے، دن جو حساب کا کوئی اور ہے

ہوئے خاک دھول تو پھر کھلا، یہی بامراد ہے قافلہ
وہ کہاں گئے جنہیں زعم تھا کہ رہِ وفا کوئی اور ہے

یہ ہے ربط اصل سے اصل کا، نہیں ختم سلسلہ وصل کا
جو گرا ہے شاخ سے گل کہیں تو وہیں کھلا کوئی اور ہے

وہ عجیب منظرِ خواب تھا کہ وجود تھا نہ سراب تھا
کبھی یوں لگا نہیں کوئی اور، کبھی یوں لگا کوئی اور ہے

کوئی ہے تو سامنے لائیے، کوئی ہے تو شکل دکھائیے
ظفر آپ خود ہی بتائیے، مرے یار سا کوئی اور ہے؟

(صابر ظفر)

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب

حضرت مرزا شریف احمد صاحب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانئ سلسلہ احمدیہ کے چھوٹے فرزند تھے۔ آپ کی پیدائش سے قبل حضرت اقدس کو بشارت دی گئی۔ حضور فرماتے ہیں :۔

"ہمیں خدا تعالیٰ نے ..... بشارت دی تھی کہ تجھے ایک لڑکا دیا جائے گا جیسا کہ ہم اسی رسالہ انوار الاسلام میں اس بشارت کو شائع کر چکے ہیں۔ سو الحمد للہ والمنۃ کہ اسی الہام کے مطابق ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۸۹۵ء میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شریف احمد رکھا گیا۔" (ضیاء الحق صہ ۷۵)

آپ کے متعلق حضرت اقدس بانئ سلسلہ کا ایک رؤیا ہے کہ :۔

"شریف احمد کو خواب میں دیکھا کہ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ بادشاہ آیا دوسرے نے کہا ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے۔ فرمایا قاضی حکم کو بھی کہتے ہیں۔ قاضی وہ ہے جو تائیدِ حق کرے اور باطل کو ردّ کرے)۔ (تذکرہ صہ ۶۹۱)۔

فرمایا چند سال ہوئے ایک دفعہ ہم نے کشف میں اسی لڑکے شریف احمد کے متعلق کہا تھا۔

"اب تُو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں۔"
(تذکرہ صہ ۴۸۷)

آپ کے متعلق حضرت اقدس کا ایک اور کشف ہے :۔

اُسی طرح حضرت میاں شریف احمد صاحب کی ولادت پر عالمِ کشف میں ایک ستارہ دیکھا اس پر لکھا تھا۔
"معمر اللہ"۔ (تذکرہ صہ ۲۷)

پھر اسی صفحہ پر یہ بھی درج ہے :۔

تو اس وقت عالمِ کشف میں مَیں نے دیکھا کہ آسمان پر سے ایک روپیہ اترا اور میرے ہاتھ پر رکھا گیا اور اس پر لکھا تھا "معمر اللہ"

حضرت مرزا شریف احمد صاحب طاعون کے دنوں میں سخت تپ محرقہ کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے اور بیہوشی میں دونوں ہاتھ مارتے تھے۔ تقریباً رات کے بارہ بجے حالت ابتر ہو گئی مَیں نے وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ ابھی میں شاید تین رکعت پڑھ چکا تھا کہ میرے پر کشفی حالت طاری ہو گئی اور مَیں نے کشفی نظر سے دیکھا کہ لڑکا بالکل تندرست ہے تب وہ کشفی حالت جاتی رہی اور مَیں نے دیکھا کہ لڑکا ہوش کے ساتھ چارپائی پر بیٹھا ہے اور پانی مانگتا ہے اور مَیں چار رکعت پوری کر چکا تھا فی الفور اس کو پانی دیا اور بدن پر ہاتھ لگا کر دیکھا کہ تپ کا نام و نشان نہیں اور ہذیان اور بیتابی اور بیہوشی بالکل دُور ہو چکی تھی اور لڑکے کی حالت بالکل تندرستی کی تھی۔ (ملخص تذکرہ صہ ۴۸۶)

پیدائش :۔ ۲۴ مئی ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔
حضرت اقدس کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی

نکاح و شادی :۔ حضرت نواب محمد علی خانصاحب

کی بیوی وفات پاگئیں۔ نواب صاحب اپنی اکلوتی بیٹی بوزینب بیگم صاحبہ کی شادی کے متعلق بہت فکر مند تھے ایک روز حضرت اقدس کو اس طرف خاص توجہ پیدا ہوئی حضور نے حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے متعلق حضرت نواب صاحب کو پیغام دیا جسے انہوں نے بسروچشم قبول کرلیا۔ حضرت نواب صاحب کے غیر احمدی بھائی اور دوسرے عزیز بہت ناراض ہوئے مگر حضرت نواب صاحب نے اس کی قطعاً پرواہ نہ کی اور فرمایا:-

"اگر شریف احمد ٹھیکرا لے کر گلیوں میں بھیک مانگ رہا ہوتا اور دوسری طرف ایک بادشاہ رشتہ کا خواستگار ہوتا تب بھی میں شریف احمد ہی کو بیٹی دیتا۔"

۱۵ر نومبر ۱۹۰۶ء کو حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب نے ایک ہزار روپیہ مہر پر نکاح کا اعلان فرمایا۔ ۹ر مئی ۱۹۰۹ء کو شادی عمل میں آئی۔

ذکرِ الٰہی:- یاحیّ یاقیوم برحمتک نستغیث کی دعا اکثر وردِ زبان رہتی۔ سورۃ فاتحہ اور سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم بھی کثرت سے ورد کرتے اور فرماتے حضرت اقدس درود شریف اور سورہ فاتحہ کی بہت تاکید فرماتے تھے اور سبحان اللہ و بحمدہ کی مشہور حدیث سنایا کرتے تھے۔ حضرت میاں صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔

سب سے پہلی مربیان کلاس:- قادیان میں جو سب سے پہلی مربیان کلاس جاری ہوئی تھی۔ اس کلاس میں حضرت میاں صاحب۔ محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس خالدِ احمدیت، مکرم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی مربی کیمبیا۔ مکرم مولانا ظہور حسین صاحب مجاہدِ روس۔ ماریشس کے زین العابدین وغیرہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ آپ نے قرآن مجید اور صحاح ستہ مکمل کی اور اصولِ فقہ کی بعض بنیادی اور بڑی کُتب اس کلاس میں پڑھیں۔ آپ حصولِ تعلیم کے لئے چھ ماہ تک جامعہ ازہر میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ لیکن تعلیم کو مکمل نہ کرسکے اور جلد واپس آنا پڑا۔

عشقِ قرآن:- آپ بلاناغہ صبح کی نماز کے بعد قرآن مجید کی تلاوت باآوازِ بلند فرماتے اور سفر حضر میں بھی اس کی پابندی فرماتے۔ آپ کی تلاوت سننے والے اکثر کہتے آپ کی آواز حضرت اقدس بانی سلسلہ سے مشابہ ہے، آپ ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تھے تو جامعہ احمدیہ سے فارغ التحصیل طلباء جب نظارت اصلاح وارشاد منتقل ہوتے تو آپ ان سے اکثر قرآن مجید سُنتے رہتے اور اس کے معانی ومعارف پر ان سے تبادلۂ خیالات فرماتے بعض اوقات ایسے مربیان ایک دو ماہ زیرِ تربیت رہتے مگر میاں صاحب کا قرآن مجید کی تلاوت سُننے کا سلسلہ جاری رہتا۔ قرآن مجید کی تلاوت سُنتے وقت آپ کی آنکھیں آبدیدہ ہوجاتیں۔ حضرت میاں صاحب بعض حفاظ کو بُلا کر ان سے قرآن مجید سُنتے اور بعد میں ان کی مالی امداد بھی کرتے۔ آپ اپنے عزیز واقارب کے بچوں سے قرآن مجید سُنتے اور تلفظ کی تصحیح فرماتے۔ آپ رمضان المبارک میں صبح کی نماز کے بعد بخاری کا درس دیتے۔

حضرت اقدس کی کُتب کے مطالعہ کا بھی بہت شوق تھا۔ اپنے گھر میں نمازِ فجر کے بعد حضرت اقدس کی کتب کے درس کا انتظام کر رکھا تھا۔ یہ درس پندرہ بیس منٹ کا ہوتا تھا۔ آپ حاضرین میں سے کسی کو کتاب پڑھنے کے لئے فرماتے اور خود تشریح فرماتے۔

نماز کی بہت پابندی فرماتے۔ آپ تاکید فرماتے کہ سفر میں نماز کو ہمیشہ پہلے وقت پڑھ لینا چاہئیے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئیے کہ کافی وقت ہے پڑھ لیں گے۔ ہمیشہ اوّل وقت نماز کی ادائیگی کا اہتمام فرماتے۔

ایک دفعہ آپ دو بجے رات کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا اب تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اس کے بعد صبح کی نماز پڑھ کر سوئیں گے، کیونکہ اگر اب سو گئے تو صبح کی نماز ضائع ہو جائے گی۔

سلسلہ کی خدمات:۔ حضرت میاں صاحب ناظر تعلیم، ناظر اصلاح وارشاد اور ناظر خاص تین اہم نظارتوں کے انچارج رہے۔ نظارتِ خاص کا کام مخالفینِ احمدیت کے حربوں سے آگاہ رہ کر ان کا سدباب تھا۔

نظارت تعلیم اور نظارت اصلاح وارشاد کا کام حضرت اقدس کا براہِ راست مشن تھا۔ اسی کی طرف الہام میں اشارہ تھا:۔

"اب تُو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں"

اور اس الہام میں آپ کے متعلق جو قاضی کا لفظ آیا ہے جس کے معنی حضرت اقدس نے یہ فرمائے تھے کہ تائیدِ حق کرکے باطل کو ردّ کرے۔ یہی دونوں کام آپ کی نظارتوں کے تھے۔ تلاوت اور تقاریر میں آپ کا انداز حضرت اقدس سے بہت مشابہ تھا۔ مساکین کی محبت اور امداد بھی آپ کا نمایاں وصف تھا۔

فوجی خدمات:۔ آپ کو فوجی خدمات کی بھی توفیق ملی۔ آپ ۱۹۲۰ء میں فوج میں گئے اور ڈیڑھ ماہ میں اپنی ٹریننگ مکمل کر لی۔ تمام کمپنی میں آپ کی نہایت درجہ تعظیم تھی۔ آپ کے بڑے افسر بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔ آپ ملٹری میں برہما کمپنی کے ساتھ ATTACH تھے۔ برہمی لوگ بڑے فضول خرچ تھے اپنی تنخواہ فوراً خرچ کر لیتے۔ میاں صاحب کے پاس ان کا تانتا لگا رہتا مگر آپ کسی کو خالی ہاتھ نہ بھجواتے۔

۱۹۲۴ء میں جب حضرت فضل عمرؓ ویمبلے کانفرنس میں شرکت کے لئے اور بیت الفضل لنڈن کے سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے لنڈن تشریف لے گئے تو آپ وفد میں شریک نہیں تھے مگر اپنے خرچ پر اس موقع پر لنڈن تشریف لے گئے۔

وقت کی پابندی:۔ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب خالدِ احمدیت فرماتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب چاہتے تھے کہ سلسلہ کا کام پوری باقاعدگی سے ہو۔ اور آپ کے ساتھیوں میں ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہو۔ وقت کی پابندی کا بہت اہتمام فرماتے۔ جس جلسہ کا اہتمام آپ کے ہاتھ میں ہوتا یا آپ نے تقریر فرمانا ہوتی تو اس کا آغاز یقینی طور پر مقررہ وقت پر ہوتا تھا۔ آپ وقت کی پابندی کا بہت خیال رکھتے تھے۔

ہاتھ سے کام کرنا:۔ آپ کی محنت پسندی کا ثبوت قادیان میں ایک عظیم کارخانے کی بنیاد تھی۔ قادیان میں کارخانوں کا قیام آپ کا ہی مرہونِ منت تھا۔ ربوہ میں بھی آپ نے کارخانوں کا آغاز فرمایا تھا۔ حضرت میاں صاحب خود اپنے ہاتھ سے کام کرتے۔ کئی چیزوں کی ایجاد آپ کی اس محنت اور جودتِ ذہنی کا ہی کرشمہ تھی۔ مثلاً آپ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا تھا جس سے شکار کے وقت فاصلہ ماپا جا سکتا تھا۔ اور اس کے مطابق SIGHT کو فِٹ کیا جا سکتا تھا۔ اور نشانہ زیادہ درست اور یقینی ہو سکتا تھا۔ اسی طرح آپ نے ایک چھوٹا سا پمپ بھی ایجاد کیا تھا جسے سائیکل کے ساتھ ADJUST

کم دیا جانا اور اگر سائیکل پنکچر ہو جائے تو اُنز کم ہوا
بھرنے کی ضرورت نہ تھی اور خود بخود سائیکل میں ہوا بھر
جاتی تھی۔ اسی طرح آپ نے کشتی کو سائیکل کی طرح چلانے
کے لئے پیڈل سسٹم بھی ایجاد فرمایا۔ تقسیم ہندوستان
کے وقت قادیان میں آپ جو کارخانہ لگا رہے تھے
اس کی مشینری انگلستان سے امپورٹ کی گئی تھی۔ (اگر
وہ کارخانہ چالو ہو جاتا تو مشرقی پنجاب کا لوہے کا سب سے
بڑا کارخانہ ہوتا)۔

قاتلانہ حملہ:۔ ۱۹۳۴ء میں احرار نے
جماعت احمدیہ کے خلاف ایک محاذ قائم کر دیا تھا جس میں
انہیں انگریزی گورنمنٹ کی اشیرباد حاصل تھی۔ اور احرار
یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہم احمدیت کو ہمیشہ کے لئے ختم
کر دیں گے۔ ان کی کوششوں کا رد کرنا حضرت میاں صاحب
کے سپرد تھا۔ احرار اپنی انتہائی کوششوں سے کامیابی
حاصل نہ کر سکے تو انہوں نے حضرت میاں صاحب کی ذات
کو نشانہ بنایا۔ چنانچہ ۸ جولائی ۱۹۳۵ء کو چھ بجے شام
سائیکل پر سوار جا رہے تھے کہ ایک بدطینت شخص نے
حضرت میاں صاحب پر لاٹھی سے بھرپور وار کیا۔ لاٹھی کے
سر پر لوہے کا خول تھا۔ آپ کا سائیکل آگے نکل گیا اور
لاٹھی آپ کے کندھے پر لگی۔ دوسرے وار کے وقت آپ نے
سائیکل آگے کر دیا۔ اب چوٹ کلائی پر لگی۔ ان ایام میں
آپ اکیلے ہی تمام انتظامات کا جائزہ لیا کرتے تھے مشکل
سے مشکل حالات سے بھی خوف نہ کھاتے تھے۔

۱۹۵۳ء میں جب لاہور میں جماعت کے خلاف تیز و تند
جلوس نکالے جاتے تھے۔ آپ اکیلے ہی باہر چلے جاتے جب
واپس تشریف لاتے تو فرماتے میں تو ذرا جلوس دیکھنے
گیا تھا۔ حالانکہ آپ کو تمام ماحول جانتا تھا کہ یہ امام جماعت احمدیہ
کے بھائی ہیں۔ مگر ان خطرناک ایام میں بھی آپ خوف نہ کھاتے
جب لاہور میں مارشل لاء لگا تو آپ کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔
آپ کو ڈیڑھ دو ماہ قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا
پڑا مگر آپ نے کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہیں فرمایا۔
بلکہ مردانہ وار مشکلات کا سامنا کیا۔ اور صبر و ہمت سے
یہ ایام بسر کئے۔

سادگی:۔ طبیعت بہت سادہ تھی۔ گھر میں آپ
کے لئے کوئی علیحدہ چیز تیار نہ کی جاتی تھی آپ بچوں کے
ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا تناول فرما لیا کرتے تھے۔ آپ اکثر
یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ ایک تو نماز وقت پر پڑھ لیا
کرو دوسرے کھانے کے وقت جو میسر ہو وہ کھا لیا کرو سفر
کے دوران بعض اوقات آپ تنور سے روٹی لے کر دال سالن
لے کر جو میسر ہوا کھا لیا کرتے تھے۔ آپ سفر میں کھانا
وغیرہ ساتھ بھی رکھ لیتے تھے۔ وہ کھانا نہایت سادہ ہوتا
پراٹھے اور اُبلے ہوئے آلو وغیرہ ہوتے تھے۔

آپ سلسلہ کے نظام اور امامت کے بارہ میں بہت
ہی باغیرت تھے اور اس بارہ میں کوئی معمولی سی بات بھی
آپ برداشت نہ فرماتے تھے۔

ماتحت عملہ اور خدام سے سلوک:۔ حضرت
مولانا ابو العطاء صاحب فرماتے تھے۔ آپ اپنے رفقاء کے
بے انتہاء خیر خواہ اور دلی ہمدرد تھے۔ مکرم چوہدری ظہور احمد
صاحب باجوہ ناظر اصلاح و ارشاد تعلیم القرآن جو آپ کے
نائب تھے۔ فرماتے ہیں کہ آپ نے نصیحت فرمائی مربیان
سے نرم سلوک کرو۔ آپ کے خادم نیک محمد خان صاحب سے
سوال کیا گیا کہ خدام کے ساتھ آپ کا کیا سلوک تھا تو
خانصاحب ایک بار رو پڑے اور فرمایا وہ کبھی ناراض نہ
ہوتے تھے۔ میں ناراض ہوتا تھا آپ منایا کرتے تھے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب آپ کی سیرت کے بارے میں مختصر طور پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"عزیزم میاں شریف احمد صاحب نے بڑی لمبی بیماری کاٹی اور اسے غیر معمولی صبر و شکر اور ہمت کے ساتھ برداشت کیا۔ گذشتہ بیس اکیس سال کے طویل عرصہ میں ان پر کئی ایسے مواقع آئے جبکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ بس اب زندگی کا خاتمہ ہے۔ لیکن ہر دفعہ خدائی رحمت کا ہاتھ انہیں گویا بازو سے پکڑ کر موت کے منہ میں سے باہر کھینچ لیتا رہا اور ان کے متعلق حضرت (اقدس۔ ناقل) کا یہ الہام بار بار پورا ہوا کہ عمر اللہ علی خلاف التوقع یعنی خدا تعالیٰ اسے (یعنی ظاہری حالات) کے برخلاف عمر دے گا ....

عزیزم میاں شریف احمد صاحب کو حضرت .... (اقدس۔ ناقل) کے ساتھ بعض لحاظ سے خاص مشابہت تھی۔ یہ مشابہت جسمانی نوعیت کے لحاظ سے بھی تھی اور اخلاقی اور روحانی لحاظ سے بھی تھی .... میاں شریف احمد صاحب کو بہت پختہ اور صائب الرائے پایا جو بہت جلد حقیقت کو پا کر بڑی مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم ہو جاتے تھے۔ اور ناواجب نرمی اور ناواجب سختی سے کلی طور پر بچ کر رہتے تھے اور انصاف کے ترازو کو پوری طرح قائم رکھتے تھے۔ اس طرح ان کے متعلق حضرت... (اقدس۔ ناقل) کا یہ مکاشفہ بھی پورا ہوا کہ "اس نے قاضی بنتا ہے"

میاں شریف احمد صاحب کی زندگی میں عسر و یسر کے متعدد دور آئے اور ہر دور میں انہوں نے اپنا شاہانہ مزاج قائم رکھا وہ دل کے درویش تھے مگر مزاج کے بادشاہ تھے۔ یسر کی حالت کا تو کیا کہنا ہے عسر میں بھی وہ اپنے شاہانہ مزاج کو قائم رکھتے تھے۔ اور اپنے ہاتھ کو تنگی کے ایام میں بھی روکتے نہیں تھے۔ اور غرباء کی مدد میں بھی بڑی فیاضی سے حصہ لیتے تھے ..... اپنے خرچ پر کنٹرول نہ کرنے کی وجہ سے وہ بسا اوقات قرض میں بھی مبتلا ہو جاتے تھے مگر ان کی شاہ خرچی کے انداز میں کبھی فرق نہ آیا۔ ساری عمر اسی شاہانہ ڈگر پر قائم رہے۔ غالباً ان کی وفات کے موقع پر خدائی فرشتوں نے آسمان پر ان کی آخری زندگی کا نظارہ دیکھ کر ہی حضرت (اقدس۔ ناقل) کے کانوں میں یہ خدائی الفاظ پہنچائے ہوں گے کہ

"وہ بادشاہ آیا ہے"

(الفضل ۶ / جنوری ۱۹۶۲ء)

حضرت کا یہ چھوٹا لختِ جگر، حضرت مرزا شریف احمد، سلسلہ احمدیہ کا خادم، دل کا بادشاہ ۲۶ / دسمبر ۱۹۶۱ء کو اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گیا۔ یہ جلسہ سالانہ کے ایام تھے۔ ہزاروں احمدیوں نے حضرت اقدس کے اس لختِ جگر کو اپنی دعاؤں کے ساتھ بہشتی مقبرہ میں سپردِ خاک کیا۔

محمد شفیع اشرف

مبارک بخدمت حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مبارک جشنِ صد سالہ کی تیاری مبارک ہو
مبارک ملّتِ احمدؐ کی معماری مبارک ہو
پئے تلقینِ حق ۔ تبشیرِ دیں، تعلیم قرآنی
جلا کر نورِ ایمانی کی لاکھوں مشعلیں ہر سُو
بہت نزدیک ہے اب غلبۂ توحید کی ساعت
تمہارے ہاتھ میں آئے گا اب قوموں کا مستقبل
تسخیرِ اقلیمِ روحانی، جہاں بین و جہاں آرا
نویدِ غلبۂ توحید کے خط ہم کو لکھوا کر
ثواب و اجر کی راہیں ہمیشہ وا رہیں ہم پر
یہ ہوں انصار یا خدام یا اطفال یا لجنہ
رہِ مولا میں جان و مال عزت وقت سب حاضر
قیادت میں ہمیشہ آپ کی بڑھتے رہیں گے ہم
لوائے احمدیت ہر جگہ لہرایا جائے گا
خدائے پاک کے وعدوں پہ ہے کامل یقیں ہم کو
یقیناً جلد ہی فضلوں کی بارش ہونے والی ہے
بہ ہر سُو نعرۂ تکبیر کی آواز گونجے گی

گلستانِ جماعت کی یہ گلکاری مبارک ہو
لوائے دینِ احمدؐ کی نگہداری مبارک ہو
خدائے پاک کے لشکر کی سرداری مبارک ہو
جہانِ کفر و ظلمت میں ضیاء باری مبارک ہو
یہ تیری تیز قدمی برق رفتاری مبارک ہو
تمہارے واسطے قوموں کی سرداری مبارک ہو
جہانگیری، جہاں بانی، جہاں داری مبارک ہو
ہم ایسے دُور افتادوں کی دلداری مبارک ہو
یہ تیرا ہم کو فرمانا "مَن انصاری" مبارک ہو
جماعت کے ہر اک طبقے میں یہ بیداری مبارک ہو
یہ قربانی و ایثار و فداکاری مبارک ہو
امامت کی یہ برکت ہے بڑی بھاری مبارک ہو
لوائے احمدیت کی عَلَمداری مبارک ہو
ہمارے واسطے اس کی وفاداری مبارک ہو
رہے گی پھر ہمیشہ جاری و ساری مبارک ہو
درود و حمد کی ہوگی صداکاری مبارک ہو

اُٹھو اس عہدِ نَو کی پیشوائی کیلئے اشرف
کرو چھوٹے بڑے سب مل کے تیاری مبارک ہو

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب

حضرت مرزا عزیز احمد صاحب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے پوتے تھے۔ آپ حضرت بانیٔ سلسلہ کے سب سے بڑے فرزند جو حضور کی پہلی زوجۂ محترمہ کے بطن سے تھے۔ یعنی حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے بیٹے تھے۔ آپ کی پیدائش ۳ اکتوبر ۱۸۹۰ء کو ہوئی۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے حضرت اقدس کی زندگی میں آپ کی بیعت نہیں کی۔ مگر آپ کے بیٹے حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کو حضرت اقدس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت اقدس کو ایک خواب کے ذریعے اس امر کی اطلاع دی گئی تھی۔

"۲۰ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو خواب میں مجھے یہ دکھایا گیا کہ ایک لڑکا ہے جس کا نام عزیز ہے اور اس کے باپ کے نام کے سر پر سلطان کا لفظ ہے وہ لڑکا پکڑ کر میرے پاس لایا گیا اور میرے سامنے بٹھایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک پتلا سا لڑکا گورے رنگ کا ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۳۴۱)

حضرت اقدس کی یہ رؤیا اپنے ظاہری معنوں کے لحاظ سے پوری ہو گئی اس رؤیا میں جو لڑکا دکھایا گیا ہے وہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم اے ہیں جو حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ فروری ۱۹۰۶ء میں اس رؤیا کے قریباً ساڑھے چھ سال بعد حضرت مرزا عزیز احمد صاحب نے اپنے دادا حضرت اقدس کے ہاتھ پر بیعت کی اور جماعت میں داخل ہو گئے۔

بیعت کی تفصیل:۔ حضرت مولوی محمد الدین صاحب سابق صدر صدر انجمن احمدیہ نے یہ روایت بیان فرمائی ہے کہ جس وقت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کی بیعت ہوئی۔ اس وقت وہ بھی بیت المبارک قادیان میں موجود تھے اور جہاں تک آپ کو یاد پڑتا ہے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے میاں صاحب کو پکڑ کر آگے کر دیا اور حضرت (اقدس ۔ ناقل) کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح رؤیا کے وہ الفاظ بھی پورے ہوئے کہ

"وہ لڑکا پکڑ کر میرے پاس لایا گیا اور میرے سامنے بٹھایا گیا۔"

حضرت میاں صاحب کی بیعت پر حضرت اقدس بہت خوش ہوئے چنانچہ تاریخ احمدیت میں درج ہے:۔

"حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ان کی بیعت کا پیغام لے کر حضور کی خدمت میں گئے تھے اور حضور نے اس پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور غالباً دوسرے ہی روز اپنے گھر میں ان کی دعوت کی جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب بھی شامل تھے حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کا بیان ہے:۔

"دو تخت بچھے ہوئے تھے ان پر ایک چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ ہم نے وہاں کھانا کھایا حضرت (اماں جان ۔ ناقل) کھانا نکال کر دے رہی تھیں اور حضرت صاحب پاس ہی ٹہل رہے تھے اور جہاں تک مجھے یاد ہے نہایت خوش نظر آتے تھے یقین سے تو نہیں کہہ سکتا مگر کچھ یاد پڑتا ہے کہ حضرت اقدس نے میری طرف اشارہ کر کے حضرت (د) مرزا

بشیر الدین محمود احمد فضل عمرؓ) سے کہا محمود یہ تمہارا
بھتیجا ہے۔" (تاریخ احمدیت جلد سوئم صفحہ ۳۸۹)۔

آپ اپنی بیعت کے سلسلہ میں مزید فرماتے تھے کہ
جب میں نے بیعت کی تو میرا بیعت کرنا تائی جان (یہ
حضرت اقدس کی بڑی بھاوج تھیں اور حضرت مرزا سلطان احمد
صاحب کو انہوں نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ یہ ساری عمر حضرت
اقدس کے خلاف رہیں مگر حضرت فضلِ عمر کے عہد میں بیعت
کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئی تھیں) کو میرا بیعت کرنا
ناگوار گذرا انہوں نے میرے والد صاحب سے شکایت کے
رنگ میں کہا "عزیز احمد نوں مار وگ گئی اے"۔ محترم
والد صاحب نے جواباً فرمایا۔ "تائی جان خیر لے نمازاں تے
پڑھے گا۔" (الفضل ۲۴ فروری ۱۹۷۱ء صفحہ ۲)

آپ علی گڑھ کالج میں داخل ہونے سے قبل احمدیت
قبول کر چکے تھے۔ آپ نے علی گڑھ کالج سے ایم اے کیا تھا
اور کالج کے لڑکوں کو معلوم تھا کہ آپ حضرت اقدس کے پوتے
ہیں اور حضرت اقدس کے دعاوی کو غلط رنگ دے کر آپ
کو چھیڑتے تھے۔ چنانچہ آپ بیان فرماتے ہیں:۔

"علی گڑھ میں بعض لوگ مجھے چڑانے کے لئے
اللہ میاں کا پڑپوتا کہا کرتے مگر میری طبیعت میں کبھی
ملال نہ آیا۔ اس پر حیران ہو کر کہتے کہ آپ ہماری بات
کا بُرا کیوں نہیں مناتے"۔ (الفضل ۲۴ فروری ۱۹۷۳ء صفحہ ۲)

تعلیمی زندگی کے بارے میں آپ مزید فرماتے
تھے۔ "میں نے ایم اے انگلش کا امتحان دیا ہوا تھا۔ نتیجہ
کے بارے میں بہت فکر مندی تھی۔ رات بھر دعا کی۔ اچانک
لاہور سے فرسٹ کلاس کا تار آیا۔ رات لاہور پہنچا۔
دیا سلائی سے اپنا رزلٹ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے
سر فہرست میرا ہی نام تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔
علی گڑھ میں قیام کے دوران ایک دفعہ آپ نادانستہ
طور پر طلباء کی ایک سٹرائیک میں شامل ہوئے جسے
حضرت بانیٔ سلسلہ نے ناپسند فرمایا اس پر آپ نے حضور
کی خدمت میں لکھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بخدمت امام زماں حضرت... (اقدس۔ ناقل)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

فدوی اپنے گذشتہ قصوروں کی معافی طلب کرتا ہے
اور التجا کرتا ہے کہ اس خاکسار کی گذشتہ کوتاہیوں کو معاف
کرکے زمرۂ تابعین میں شامل کیا جائے نیز اس عاجز کے
حق میں دعا فرما دیں کہ آئندہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

حضور کا عاجز ۔ عزیز احمد

اس کے جواب میں حضرت صاحب نے فرمایا:۔

"ہم وہ قصور معاف کرتے ہیں آئندہ اب تم
پرہیزگار اور سچے ...... کی طرح زندگی بسر کرو اور بُری
صحبتوں سے پرہیز کرو۔ بُری صحبتوں کا انجام آخر بُرا
ہی ہوا کرتا ہے۔" (ملفوظات جلد نہم صفحہ ۲۲۲، ۲۲۳)

آپ کو ۱۹۴۵ء میں اعلیٰ سرکاری ملازمت سے
ریٹائر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک لمبے عرصہ تک سلسلہ
عالیہ احمدیہ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ آپ
پہلے ناظر امور عامہ رہے اسی دوران تقسیم پاک و ہند اور
قادیان سے ہجرت کے خطرہ کے موقع پر آپ ایک عرصہ
تک مقامی امیر رہے۔ ان دنوں بہت سے نازک مواقع پر
حضرت مرزا عزیز احمد صاحب نے پورے وقار اور انتہائی
جوش اور اولوالعزمی سے جماعت کی عزت و احترام
کو قائم رکھا۔ اور تمام احمدی مردوں اور عورتوں کے
لئے اطمینان اور تسلّی کا موجب بنے رہے۔

جولائی ۱۹۴۹ء سے ۳۰ اپریل ۱۹۷۱ء تک
ناظر اعلیٰ کے عہدے پر فائز رہے۔ مئی ۱۹۷۱ء سے

نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ اس خدمت سے سبکدوش ہوئے اور آپ کی شاندار خدمات کے اعتراف کے لئے ۱۲ رمئی ۱۹۷۱ء کو ایک الوداعی تقریب منعقد کی گئی جس میں جماعت احمدیہ کے تیسرے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔

صدر انجمن احمدیہ نے آپ کی وفات پر درج ذیل ریزولیوشن منظور کر کے آپ کی خدمات کو سراہا۔

"صدر انجمن احمدیہ .... حضرت (اقدس - ناقل) کے سب سے بڑے پوتے اور .... (رفیق - ناقل) اور صدر انجمن احمدیہ کے سابق ناظر اعلیٰ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب .... کی وفات پر نہایت افسردہ ہے .....

حضرت مرزا عزیز احمد صاحب نے اعلیٰ سرکاری عہدہ سے ریٹائرڈ ہو کر ربع صدی سے زائد عرصہ تک سلسلہ احمدیہ کی بے لوث خدمات ادا کی ہیں۔ آپ کی ہستی نہایت محبوب شخصیت منکسر المزاج اور ہر ایک کی دلی ہمدرد رہی ہے۔ آپ نے طویل عرصہ ایک مثالی بے نفس احمدی افسر کے طور پر بسر کیا ہے آپ کا دینی شغف قابلِ رشک تھا۔ آپ نے اپنی اولاد کی بھی نہایت عمدہ تربیت کی جس کا نتیجہ ہے کہ آپ کے دونوں فرزند اعلیٰ تعلیم یافتہ واقف زندگی سلسلہ کے مخلص خادم ہیں۔ آپ جیسے قیمتی اور نافع الناس وجود کی رحلت سخت رنج اور افسوس کا باعث ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے اہل و عیال کو اس عظیم صدمہ میں صبرِ جمیل کی توفیق بخشے آمین .....

اللہ کرے کہ سلسلہ احمدیہ کو ہمیشہ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب .... ایسے بے نفس اور مجاہد غلام ملتے رہیں۔" (الفضل ۳۱ جنوری ۱۹۷۳ء صا)

حضرت صاحبزادہ صاحب بہت دعا گو مجسم عجز و انکسار، بے نفس، از حد خوش خلق اور دل کے حلیم تھے۔ دینی معاملات میں نہایت درجہ غیور اور اطاعت امام کا اعلیٰ نمونہ دکھانے والے بزرگ تھے۔ آپ نومبر ۱۹۵۰ء تا نومبر ۱۹۵۴ء یعنی ۴ سال تک مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے کامیاب صدر رہے ہیں طبیعت میں اس درجہ رُشد و سعادت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اوائل عمر میں ہی حضرت... (اقدس - ناقل) کے زمانہ مبارک میں حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور بیعت سے سات برس قبل حضور .... کو ایک خواب کے ذریعہ اس کی اطلاع بخشی جس کی وجہ سے آپ کا مبارک وجود اللہ تعالیٰ کے ایک نشان کا حامل بن گیا۔ سرکاری ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے جس طرح بے لوث رنگ میں ربع صدی تک سلسلہ احمدیہ کی خدمت کی وہ بھی جملہ اراکین انصار اللہ اور احباب جماعت کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ (الفضل ۳۱ جنوری ۷۳ء ص۶)

حضرت مرزا عزیز احمد صاحب بے لوث خادمِ دین تھے۔ اپنے ماتحتوں اور احباب سے شفقت کا سلوک کرنے والے فرض شناس اور نرم دل مگر اصولوں کے پکے انسان تھے۔ آپ مستحقین کی امداد سے دریغ نہ کرتے وسیع القلب ایسے تھے کہ اپنے بیگانے یا واقف و ناواقف کے درمیان کبھی امتیاز نہ برتتا۔ اپنی خاندانی وجاہت پر کبھی نہیں اترائے بلکہ نہایت منکسر المزاج فیصلہ دینے میں صائب الرائے اور غلط تجویز کے رد کرنے میں مضبوط چٹان تھے۔

قادیان سے محبت:۔ قادیان واپسی کی بے حد تڑپ تھی اور فرمایا کرتے تھے۔ میں ہر سجدے میں

قادیان کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ حضرت فضل عمر کی زندگی
میں فرماتے تھے۔ مَیں جب پوچھتا ہوں کب ملے گا تو حضور
فرماتے ہیں دفعتہً۔

اپنے ساتھیوں سے محبت:۔ اپنے ساتھیوں
اور رفقاء کار کو ہمیشہ یاد رکھتے۔ حضرت مولوی محمد دین
صاحب سے بہت محبت رکھتے تھے۔ فرماتے میرے والد بزرگوار
نے ان کو علی گڑھ میں میرا ٹیوٹر بنا رکھا تھا۔ جب کبھی
مولوی صاحب دفتر نظارت میں علالت یا کسی اور
مجبوری سے تشریف نہ لاتے تو ان کا بار بار پوچھتے۔

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب فرماتے ہیں:۔

آپ کی وفات کے روز جس نوجوان ٹانگہ بان
کے ٹانگہ پر ان کی کوٹھی پر گیا وہ بھی بڑے درد سے
کہہ رہا تھا کہ مَیں پہلے مددگار کارکن تھا۔ پھر میں
نے ملازمت چھوڑ کر ٹانگہ چلانا شروع کیا۔ جب کبھی مجھے حضرت
میاں عزیز احمد صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے ضرور
میرا حال پوچھا اور دریافت فرمایا کہ آیا اتنی آمدنی ہو جاتی
ہے جس سے گذارہ ہو جاتا ہے۔ (الفضل ۷ فروری ۱۹۷۳ء
صفحہ ۴)۔

یہ ایک عام اتفاقی مثال ہے ورنہ یہ حقیقت
ہے کہ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کا اس پہلو سے ہر چھوٹے
بڑے سے یہی سلوک تھا وہ متواضع بھی تھے۔ اور انسانوں
کے پُورے ہمدرد بھی تھے۔ اگر کسی شخص کو خود براہ راست
امداد نہ کر سکیں تو اس کی امداد کے لئے ایسی جگہ ضرور
سفارش کر دیتے جہاں سے اس کی امداد ہو سکے۔

حضرت میاں صاحب کی خوش ذوقی اور مزاح کے
بارے میں چوہدری فضل احمد صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

"ہر ماہ دو مرتبہ خاکسار کو شرف ملاقات نصیب
ہوتا پنشن بل کی تکمیل کے وقت اور پھر رقم پنشن کرنے
پر فارغ ہونے پر جب میں جزاک اللہ کہتا تو فرماتے
کام میرا کرتے ہو اور جزاک اللہ بھی کہتے ہو۔ جاتے آتے
مصافحہ ہوتا اور واپسی پر معانقہ بھی۔ اکثر اوقات برادرم
چوہدری علی اکبر صاحب بھی خاکسار کے ساتھ ہوتے۔ جب
میں اکیلا جاتا تو نہایت شفقت سے پوچھتے وہ کیوں
نہیں آئے۔ انہیں دُعا کے لئے کہنا۔ بسا اوقات گیٹ
تک تشریف لاتے اور خوش طبعی میں فرماتے گیٹ تک
چلتا ہوں تا ایسا نہ ہو کہ لوٹ آؤں"۔ (الفضل
۲۴ فروری ۱۹۷۳ء صفحہ ۴)

حضرت میاں صاحب کی سیرت اور خدمات کے سلسلہ
میں حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"جماعتی نقطۂ نگاہ سے وہ نہایت منکسر المزاج
اور باغیرت احمدی تھے۔ جہاں تک ان کی ذات کا سوال
ہے وہ انتہائی متواضع اور درگذر کرنے والے تھے
اور جہاں تک ... (دینِ حق۔ ناقل) و احمدیت کا معاملہ
ہوتا تھا وہ نہایت باوقار اور غیور انسان تھے۔ ایسے
انسان بہت کم ہوتے ہیں جنہیں قومی خاندانی وجاہت
کے علاوہ دنیوی اعزاز اور شان بھی حاصل ہو۔ پھر بھی
ان کی طبیعت فروتنی اور تواضع کا مجسمہ ہو مگر حضرت
صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کے بارہ میں ادنیٰ و
اعلیٰ کا یہی تاثر ہے کہ ان میں خاکساری کوٹ کوٹ کر
بھری ہوئی تھی۔ ان کی معیت میں باقاعدہ بالالتزام
حاضری اور نہایت خشوع و خضوع سے نمازیں ادا کرنا
ہر انسان کو متأثر کرتا تھا۔ ان کا ہر شخص سے ملنے
کا مخلصانہ اور محبانہ انداز بہتوں کو آج بھی یاد ہے
اور یاد رہے گا"۔ (الفضل ۶ فروری ۱۹۷۳ء)

صدر انجمن احمدیہ سے فارغ ہونے کے بعد زیادہ
وقت گھر میں گذرتا۔ اپریشن کے باوجود بینائی بحال

نہیں ہوتی تھی۔ مطالعہ نہیں کر سکتے تھے۔ بغیر شغل کے طبیعت اکتا جاتی۔ جب پوچھا جاتا کہ کیا حال ہے تو اکثر فرماتے حال ٹھیک نہیں ہے دعا کریں بینائی کام نہیں دیتی۔

حضرت کا یہ پوتا جس کو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی توفیق ملی وہ ایک ربع صدی تک جماعتی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۵-۲۶ جنوری ۱۹۷۳ء کی درمیانی شب ساڑھے دس بجے ۸۲ سال کی عمر میں اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گیا۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ہزاروں افراد نے اپنی دعاؤں کے ساتھ آپ کو بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپرد خاک کیا۔ آپ نے اپنے پیچھے دو صاحبزادے محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر امور عامہ محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی اور پانچ صاحبزادیاں اپنی یادگار چھوڑیں۔

ہم کو آواز دے گا ہمارا خدا

(محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ)

اِس صدی نے ہمیں کیا دیا کیا لیا
آؤ بتلائیں ہم تم نے کیا کیا کیا
ہم سے چھینا گیا رنگِ انسانیت
ہم کو سمجھا گیا ننگِ انسانیت
رُوپ انسانیت کا کہاں کھو گیا
نام لینا خدا کا ___ گناہ ہو گیا
کہہ نہ سکتے ہیں ہم کہ خدا ایک ہے
جو تھا بد اُس کو سب نے کہا نیک ہے
ہم کو ..... میں جانا منع ہو گیا
ہم کو کلمہ سُنانا منع ہو گیا
اپنے خونِ جگر سے لکھا ہو جسے
اپنے ہاتھوں سے کیسے مٹائیں اُسے
لفظِ آخر نہ تھا اُس نے جو کچھ کہا
ہم بتاتے نہیں اُس نے وہ کچھ کہا
بخشے انعام کتنے خرابات پر
اس نے پہرے بٹھائے مناجات پر
گھر خدا کے لٹے کچھ جلائے گئے
اپنی بنیاد سے کچھ ہلائے گئے
زخمی زخمی جگر اپنے روتے رہے
سب پڑے چین سے کیسے سوتے رہے
وہ جو اُس نے کہا کیسے مانے کوئی
جو خدا سوچتا ہے نہ جانے کوئی
وقت بتلائے گا ہم ہیں کیا ساتھیو
تم کو جتلائے گا ہم ہیں کیا ساتھیو

رند پی کے بہکتے نہیں ساتھیو
وہ خرافات بکتے نہیں ساتھیو
سب نے دیکھا کہ اُٹھا تھا بس اک دُھواں
پھر نہ باقی رہا کچھ کسی کا نشاں
دوستی کا بھرم کوئی باقی نہیں
کوئی مینا نہیں کوئی ساقی نہیں
ہم نے سیکھیں محبت کی بے تابیاں
رتجگے مل گئے اور بے خوابیاں
زندگی خوابِ غفلت سے بیدار تھی
گر گئی وہ انا کی جو دیوار تھی
بحرِ عرفاں میں غوطہ زن ہو گئے
موتی موتی چُنے گلبدن ہو گئے
ٹوٹتے کچھ دلوں کا سہارا بنے
اپنے رب کی ہم آنکھوں کا تارا بنے
ہم جو ٹھہرے تو رُکنے لگا آسماں
ہاتھ اُٹھائے تو جھکنے لگا آسماں
راہِ مولیٰ کے وہ جو اسیران ہیں
اک اکھاڑے کے سمجھو پہلوان ہیں
وقت نے آج پیروں میں پہنائی ہے
ہم کو زنجیر نے بات سمجھائی ہے
بات گہری ہے جو دل سے ٹکرائی ہے
یہ جدائی ہمیں قیدِ تنہائی ہے
وقت کے دیو کو مات دے دیں گے ہم
اور مؤرخ کو اک بات دے دیں گے ہم

ربِ کعبہ کی ہم کو قسم ایک دن
سر کی بازی لگا دیں گے ہم ایک دن
خود مٹیں گے مگر بات سمجھائیں گے
بات سمجھائیں گے بات منوائیں گے
بات رُکتی نہیں مُنہ پہ آئی ہوئی
ٹہنی جھکتی ہے پھل پھول لائی ہوئی
ہم جھکے ہیں تو سمجھو کہ پھلدار ہیں
سچ کوئی بات کہنے کے حقدار ہیں
توڑ ڈالے گا زنجیر اِک دن خدا
کر ہی ڈالے گا تدبیر اک دن خدا
چاند سورج کبھی ماند پڑتے نہیں
گُل سے مذہب سے اعراض کرتے نہیں
جب تشخص مِلا تو نکھر جائے گا
ورنہ ٹہنی سے گر کے بکھر جائے گا
جب تقدس ہی پامال ہو جائے گا
عرش سے گر کے پاتال ہو جائے گا
پھول خوشبو ستارے دھنک رنگ ہم
کہکشاں چاندنی چاند کے سنگ ہم
پھول کو کچھ کہو پھول تو پھول ہے
اُس کو کانٹا کہو گے تو یہ بھول ہے
خاک در خاک ہو پھر بھی گوہر ہے وہ
وہ چمک کیسے کھو دے گا جوہر ہے جو
کوئی بُت تو نہیں ہے ہمارا خدا
ہم کو آواز دے گا ہمارا خدا
ہاتھ پکڑے گا جب پیارا پیارا خدا
دیکھ لو گے ہمارا سہارا خدا

سُن کے آواز تم دنگ رہ جاؤ گے
بغلیں جھانکو گے تم سخت گھبراؤ گے
سرزنش اُس نے کی جب تو ہٹ جاؤ گے
کتنے شاطر سہی پھر بھی پٹ جاؤ گے
وقت پھر اِک نئی چال چل جائے گا
آسماں پھر کئی رنگ دکھلائے گا
کامیابی کے وعدے تو مشروط ہیں
بال و پَر دیکھ لو اپنے مضبوط ہیں
ہم کو لذّت دُعا کی ملی دوستو
ہم کو دولت وفا کی ملی دوستو
ہم کو عفت۔ حیا بھی ملی دوستو
ہم کو نصرت خدا کی ملی دوستو
ہم کو وعدہ رضا کا مِلا ساتھیو
ہم کو چہرہ خدا کا مِلا ساتھیو
ہم تو سینہ سپر ہو گئے ساتھیو
اِک چمکتا گہر ہو گئے ساتھیو
ہم نے کیا پا لیا ہے تمہیں کیا خبر
ہاں خدا پا لیا ہے تمہیں کیا خبر
اِک صدی پہ یہ پھیلی ہوئی داستاں
کس طرح سے مٹا دے بھلا باغباں
ہم سے رُک کے ملو گے سبھی ایک دن
ہم سے جُھک کے ملو گے سبھی ایک دن
بس وہی ایک دن جلد آنے کو ہے
کاش سمجھو تمہیں آزمانے کو ہے
آؤ بتلائیں ہم تم نے کیا کیا کیا
اِس صدی نے ہمیں کیا دیا کیا لیا

یہ صدی

یہ صدی ہے احمدیّت کے جوانوں کی صدی
ملک و ملت کے جیالے پاسبانوں کی صدی

اِس صدی میں بے زبانوں کو زباں مل جائے گی
یہ صدی ہے آجکل کے بے زبانوں کی صدی

اِس صدی میں گونج گونج اٹھے گی گیتوں سے زمیں
یہ صدی ہے قافلے کے ساربانوں کی صدی

اِس صدی میں زندگی کے راز ہوں گے منکشف
یہ صدی ہے زندگی کے رازدانوں کی صدی

اِس صدی میں سحر توڑا جائے گا تثلیث کا
یہ صدی وحدانیت کے ہے زمانوں کی صدی

اِس صدی میں باغ احمدؑ پر بہاریں آئیں گی
یہ صدی اس باغ کے ہے باغبانوں کی صدی

فتح و نصرت کی صدی کا آج سے آغاز ہے
ہوگئی ہے ختم اکبرؔ امتحانوں کی صدی

(اکبر حمیدی)

دلیل ہستئ باری تعالیٰ صفتِ عزیز

(جماعتِ احمدیہّ کی ترقّی کے پس منظر میں)

(محترم مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا)

اللہ تعالیٰ کی ہستی لطیف در لطیف ہے۔ انسانی نظر اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ وہ اس طرح مستور ہے جس طرح اس مادی دنیا میں بعض اشیاء لطیف ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتیں۔ ہوا، بجلی، خوشبو، طاقت، لذت سب اسی ضمن میں آتی ہیں۔ لیکن وہ اپنے خواص کی وجہ سے قابلِ شناخت ہو جاتی ہیں۔ ہوا کو انسان سانس کے ذریعہ جسم کے اندر لے جا کر زندہ رہتا ہے۔ اگر ایک دو منٹ بھی اس سے محروم ہو جائے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ وہ نظر نہیں آتی لیکن انسانی زندگی کے لئے کس قدر اہم ہے۔ ہوا جب آندھی کی شکل اختیار کرتی ہے تو تناور درختوں کو یوں اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے جیسا کہ تنکا۔ بستیوں کو ویران کر دیتی ہے۔ سو اس کے یہ خواص اس کے موجود ہونے میں کوئی شک نہیں رہنے دیتے۔

اسی طرح بجلی اندھیروں کو دن کی طرح روشن کر دیتی ہے۔ ایک ایک کروڑ کی آبادی کے شہر اسکی بدولت رات کو جگمگا اُٹھتے ہیں۔ پھر یہ اپنی بے پناہ طاقت سے فیکٹریوں کو رواں دواں کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے انجنوں کو بے تحاشہ رفتاروں سے چلا دیتی ہے۔ مکانوں کو گرم کر دیتی ہے۔ اگر ایک دن کے لیئے بھی بجلی کو معطل کر دیا جائے تو ناقابلِ برداشت نقصان ہو جاتے ہیں۔ آجکل وہ کچھ وقت کے لیئے بند کر دی جاتی ہے تو لوگ چلّا اُٹھتے ہیں۔ پس کون ہے جو اس نظر نہ آنے والی چیز کا انکار کر سکتا ہے۔ تباہ کرنے پر آئے تو ہر چیز کو تہس نہس کر دیتی ہے۔ پس اس کے وجود سے انکار کی کس کو جرأت۔

اسی طرح خوشبو کیسی لطف دینے والی چیز ہے۔ انسانوں کے اندر ایک محویت پیدا کر دیتی ہے لیکن نظر نہیں آتی۔ یہی صورت اللہ تعالیٰ کی عظیم اور جلیل ہستی کی ہے وہ لطیف در لطیف اور وراء الوراء ہے۔ انسانی ادراک سے بہت بالا لیکن جب وہ اپنی بعض صفات کا اظہار فرماتا ہے تو یوں نظر آتا ہے کہ اسکی عظیم ذات کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں۔ اسکے مقابلہ میں یہ کائناتِ

عالَم ایک ذرّہ کے برابر دکھائی دیتی ہے۔ غور و فکر سے کام نہ لینے والے اور بصیرت سے محروم انسان اس کی صفات کے جلووں کے باوجود اسے شناخت کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ یہ ان کی انتہائی بدقسمتی ہوتی ہے۔

اس کی صفات لامحدود ہیں جس طرح اِس کائنات عالَم کی کوئی حد بندی ہمیں نظر نہیں آتی اور اشیاء کے خواص کا بھی انسان ساری کوششوں کے باوجود احاطہ نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی لامحدود ہیں۔ اِس وقت ہم ان صفات میں سے صرف ایک صفت "عزیز" کو لیتے ہیں کہ اس کے جلوے کس طرح اسکی ہستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ اور پھر یہ جلوے بھی صرف جماعت احمدیہ کی ترقی تک محدود کر کے دیکھتے ہیں۔ ورنہ یہ صفت بھی دُنیا میں مختلف انسانوں اور مختلف اُمتوں پر مختلف اوقات میں جس جس طرح اپنا جلوہ دکھاتی رہی ہے وہ ایک ایسے حد لمبی داستان بن جائیگی جو ساری انسانی تاریخ پر محیط ہو جائیگی اور ہزاروں جلدیں بھی اسکے لیئے کافی نہیں ہونگی۔ اِس مختصر سے مقالہ میں اسے صرف اِس حد تک محدود رکھا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت "عزیز" جماعت احمدیہ کی کس طرح محافظ ہوئی اور کس طرح اس نے اسے ایک بیج کی حالت سے ایک تناور درخت تک پہنچایا جسکی شاخیں دنیا کے چاروں کونوں میں پھیل گئیں اور جسکے پھل سب اقوام کی پرورش کیلئے کافی ہو رہے ہیں۔

صفت "عزیز" کے معنے

عزیز کے معنے ہیں غالب، ایسا غالب جس پر کوئی اور غالب نہ ہو سکتا ہو۔ جس کے راستے میں کوئی روک نہ پیدا کی جا سکتی ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

(الصّٰفّٰت: ۱۷۲-۱۷۴)

ترجمہ۔ اور ہمارا فیصلہ ہمارے بندوں یعنی رسولوں کے لیئے پہلے سے ہی یہ ہے کہ ان کی مدد کیجائیگی اور ہمارا لشکر (یعنی رسولوں پر ایمان لانے والا گروہ) ہی غالب رہے گا۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرماتا ہے:۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

(المجادلہ: ۲۲)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ فرما دیا ہُوا ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ یقیناً اللہ طاقت والا اور غالب ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتا ہے:۔

فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝

(هود: ۶۷)

ترجمہ۔ پس جب عذاب کے متعلق ہمارا حکم آگیا تو ہم نے صالح اور اس پر ایمان لاتے والوں کو اپنی رحمت سے ہر بلا سے اور اس دن کی رسوائی سے بچا لیا۔ یقیناً تیرا رب ہی طاقت والا اور غالب ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک اٹل قانون بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول اپنے مقاصد میں ضرور بضرور کامیاب ہوتے ہیں۔ اور یہ اصول اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات قوی اور عزیز کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے۔ رسول کے ساتھ اس پر ایمان لانے والے لازماً شامل کیے جاتے ہیں ورنہ وہ مقاصد جاری نہیں رہ سکتے جن کو لے کر خدا کا رسول آتا ہے۔ گویا رسول میں اس کی قائم کردہ جماعت شامل ہوتی ہے ورنہ رسول اکیلے کی کامیابی کوئی معنے نہیں رکھتی۔ ویسے ان میں سے دو آیتوں میں جماعت کا ذکر بھی فرما دیا اور اس کے لیئے جُندَنَا کا لفظ استعمال فرمایا۔ یعنی خدا تعالیٰ کا لشکر۔ اللہ کے رسول کی جماعت کی حیثیت خدا تعالیٰ کے لشکر کی ہی ہوا کرتی ہے کیونکہ انہیں کے ذریعہ اللہ اور رسول کے کام لیئے جاتے ہیں چنانچہ ان میں سے آخری آیت میں حضرت صالح علیہ السلام کے بچانے اور عذابِ الٰہی سے محفوظ کرنے کے ساتھ ان کی قوم کے محفوظ کرنے کا بھی ذکر فرما دیا۔

ان آیات کی رُو سے نہ صرف رسول کی حفاظت کی جاتی ہے اور اسے ترقیات دی جاتی ہیں اور غلبہ عطا فرمایا جاتا ہے بلکہ اس پر ایمان لانے والوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے اور انہیں باقی سب پر غلبہ بخشا جاتا ہے۔ ابتداء میں براہین اور نشانوں کے ذریعہ اور آہستہ آہستہ ان کی تعداد اور ان کے پھیلاؤ کے لحاظ سے اور بسا اوقات انہیں حکومت سے بھی نوازا جاتا ہے۔ اور یہ ایک زبردست دلیل اللہ تعالیٰ کی ہستی کی ہوتی ہے۔ وہ ایک شخص کو کھڑا کرتا ہے۔ وہ اکیلا اور کمزور اور بے سہارا ہوتا ہے۔ خود اس کو طاقت اور سہارا دیتا ہے۔ اس پر ایمان لانے والے بھی غریب اور کمزور ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت نمائی کے ساتھ ان غریبوں اور کمزوروں کو آہستہ آہستہ طاقت بخشتا چلا جاتا ہے۔ خود ان کا سہارا بنتا ہے اور ان سے وہ کام کرواتا ہے جو اُن کے لیئے ناممکن نظر آتے ہیں۔ قدم قدم پر ان کی مدد فرماتا ہے ان کی کمزوری کو طاقت سے بدلتا چلا جاتا ہے۔ دنیا ان کا بڑا زبردست مقابلہ کرتی ہے لیکن ان کا خدا اس مقابلہ میں ان کو عظیم ہمت عطا فرماتا ہے۔ اُن کے دلوں میں حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ ان کے کاموں میں برکت ڈالتا ہے۔ ہر وقت ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔ دشمنوں کے دلوں میں اُن کا رعب اور دبدبہ ڈالتا ہے۔ ان کی مخالفت کو بھی انتہا تک لے جاتا ہے اور اپنی مدد اور نصرت کے ساتھ ان کی ثابت قدمی کو بھی ایک خوبصورت رنگ دیتا ہے اور دُنیا کو اُن کے جوہر دکھلاتا ہے۔ لیکن یہ ان کی ثابت قدمی کیا ہوتی ہے۔ در حقیقت ان کے دلوں میں وہ خدا اپنے جاہ و جلال کے ساتھ جھانک رہا ہوتا ہے اور اپنی معرفت اور محبت سے انہیں سرور بھر دیتا ہے۔ تب کوئی کام اُن سے انہونے نہیں رہتے اور سینہ سپر ہو کر اس کی راہ میں صدق و صفا دکھاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ان کے مولا کریم نے ان بے کسوں کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دین کی خدمت کی عزت بخشی۔ اس حال میں کوئی قوم ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتی کیونکہ وہ اپنے ربّ کریم سے طاقت دیئے جاتے ہیں جس طاقت کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جانیں اور اموال اور بیویاں اور بچے سب ان کی نگاہ میں حقیر ہو جاتے ہیں۔ اگر اُن کو کوئی وجود بھاتا ہے تو خدا کا۔ دُنیا کو ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رہتی۔

یہی حال حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی جماعت کا

ہے۔ آپ پر ایمان لانے والے حد درجہ کی کمزوری سے اُٹھائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اُوپر ہاتھ رکھ کر اس طرح ان کی حفاظت فرمائی جس طرح دیئے کے اُوپر ہاتھ رکھ کر اسے ہَوا کے جھونکوں سے بچایا جاتا ہے۔ جتنی زور سے اُن کے خلاف ہوائیں چلتی گئیں اور جتنے زیادہ ان کے خلاف جتھے بنائے گئے یہانتک کہ حکومت کو بھی ان جتھوں میں شامل کیا گیا اُتنا ہی اُن کے خدا کا قوی ہاتھ ان کے ساتھ ہو کر ان سب مخالف قوتوں سے بچاتا چلا گیا۔ اتنا ہی اس وَدُود خدا نے انہیں اپنی محبت سے سرشار کیا، اتنا ہی اُن کے دماغوں کو روشن کیا اور ان کے دلوں کو پاکیزگی عطا فرما کر ان کو اپنے قریب تر کر لیا اور دنیا کو بتا دیا کہ اگر تم نے مقابلہ کرنا ہے تو ان غریبوں اور بے کسوں کے مقابلہ کا سوال نہیں تمہارا مقابلہ میرے ساتھ ہے۔ اگر ہمت ہے تو کر لو۔ بانیٔ سلسلہ کو تو میں نے بھیجا تھا۔ اس کی جماعت میری جماعت ہے اور میرے محبوب کے لائے ہوئے دین کی خدمت کر رہی ہے۔ اسی کے لیئے مَیں نے بانیٔ سلسلہ کو بھیجا تھا اور اسی کے لیئے اس کی جماعت سینہ سپر ہے۔

جماعت احمدیہ کی اس مخالفت نے مختلف وقتوں میں مختلف طریق اختیار کیئے۔ ان کے خلاف کفر اور واجب القتل ہونے کے فتوے دیئے گئے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سرگروہ اہلحدیث پنجاب نے مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی سے جو تمام ہندوستان کے اہلحدیث کے سربراہ تھے کفر کا فتویٰ حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کے تمام علماء اور مشائخ اور گدی نشینوں کے اس پر دستخط کروائے اور جماعت کے خلاف خوب اشتعال پیدا کیا۔ یہ مخالفت بحث مباحثہ کی شکل میں بھی جاری رہی۔ پھر سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مخالفت کی قیادت سنبھالی اور احرار کا گروہ نکل آیا جنہوں نے مخالفت اور گالیوں کو انتہا تک پہنچایا اور وہ شرافت کی تمام حدود کو پھلانگ گئے۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ جماعت احمدیہ پر خدا کے فضل سے کوئی ایسا دن نہ چڑھا کہ وہ طاقت اور تعداد اور مالی اور جانی قربانی اور خدمت میں آگے سے آگے نہ بڑھی ہو۔ اور مخالفت کرنے والوں پر ذلت اور ادبار نہ آیا ہو اور انہوں نے ناکامی اور نامرادی کا مُنہ نہ دیکھا ہو۔ مخالفین اور معاندین کے جو انجام ہوئے وہ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں اور قیامت تک عبرت کا سامان بنے رہیں گے۔ جس نے جتنا بڑھ کر مخالفت میں حصہ لیا اتنا ہی وہ خدا تعالیٰ کی گرفت میں آیا۔ اس کی ایک حد تک تفصیل ہمارے لٹریچر میں بھی آ چکی ہے۔

وہ کون سی طاقت تھی جو اِس سارے وقت میں جماعت احمدیہ کی حفاظت کرتی رہی اور اسے آگے سے آگے بڑھاتی رہی اور ان مخالفین کو ناکام کر کے ان کے انجام تک پہنچاتی رہی۔ یہ خدا تعالیٰ کی صفت "عزیز" تھی جو ہر آن اپنے جلوے دکھاتی رہی اور خدا تعالیٰ کی جلیل اور عظیم ہستی کی دلیل ٹھہرتی رہی۔

پاکستان بن جانے کے بعد یہ مخالفت مزید شدت اختیار کر گئی۔ علماء صاحبِ اقتدار ہو گئے تو یہ اقتدار سب سے زیادہ جماعت احمدیہ کے خلاف استعمال ہوا اور اس میں نئے رنگ بھی پیدا ہو گئے۔ مسلسل اشتعال انگیزیاں شروع ہو گئیں۔ ہمارے آدمی شہید کیئے گئے۔ جائدادیں تباہ کی گئیں۔ مکان جلائے گئے۔ ایسا قانون بھی بنایا گیا کہ انسان کو جھوٹ بولنے پر مجبور کرے۔ دنیا نے ایسا

قانون پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔

پہلے تو واجب القتل ہونے کے صرف فتوے دیئے جاتے تھے اب علماء صاحبان کی طرف سے یہ کوشش ہے کہ مرتد کے واجب القتل ہونے کا قانون بن جائے تا ہر احمدی کو اس کے تحت لاکر اُسے پھانسی پر لٹکایا جائے۔ یہ ہے آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ مذہب کا اسلامی مفہوم جو یہ علماء دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

لیکن اس خدا کو دیکھیئے اور اس کی حمد کے ترانے گائیے کہ ان حالات میں بھی اس نے جماعت کو نہیں چھوڑا اور ان طوفانوں میں بھی اس کی دستگیری سے غافل نہیں ہوا۔ ان کی حفاظت فرمائی۔ انہیں حوصلہ دیا۔ ان کے دلوں کو زندہ ایمان سے روشن کیا۔ انہیں اپنی معرفت اور محبت کی لذت سے آشنا کیا۔ ان کا خود متکفل ہوا۔ ان کی ادنیٰ ادنیٰ کوششوں میں برکت ڈالی۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو آگے لے گیا۔ ان کی خدمتِ دین کو نوازا۔ یہاں تک کہ انہیں اپنے پاک کلام قرآن کریم کے یکصد زبانوں میں ترجمہ کرنے کی توفیق بخشی اور غیر مسلموں میں .. اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پہنچانے کی ہمت دی۔ خود ان کی زبانوں اور قلموں میں تاثیر ڈالی تا وہ دعوۃ الی اللہ کا فریضہ بہتر طور پر ادا کر سکیں اور کفر کی تاریکی کو روشنی سے بدل سکیں۔

ان کے مخالفین کو خدا تعالیٰ کس طرح ناکام فرماتا رہا اس کا اقرار خود ان مخالفین کو بھی ہے۔ چنانچہ ان کے ایک سرکردہ اور علماء کی مجلس مشاورت کے ممتاز رکن مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب نے آج سے ۲۳ سال قبل اپنے رسالہ "المنبر" لائلپور (حال فیصل آباد) میں جو لکھا وہ یہ ہے:۔

"ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی۔ مرزا صاحب کے مقابل جن لوگوں نے کام کیا ان میں سے اکثر تقویٰ۔ تعلق باللہ۔ دیانت۔ خلوص۔ علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ سید نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی۔ مولانا قاضی سید سلیمان منصور پوری۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولانا عبدالجبار غزنوی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفرلہم کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر و رسوخ بھی اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جو ان کے ہم پایہ ہوں۔ اگرچہ یہ الفاظ سننے اور پڑھنے والوں کے لئے تکلیف دہ ہوں اور قادیانی اخبار اور رسائل چند دن انہیں اپنی تائید میں پیش کر کے خوش ہوتے رہیں گے لیکن ہم اس کے باوجود اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر کی تمام کوششوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے۔ تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا وہاں ان

کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو روس اور امریکہ کے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں اور دوسری جانب ۱۹۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ ان کا ۵۷-۱۹۵۶ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ ہو۔"

(المنبر ۲۳ ر فروری ۱۹۵۶ء)

یہ اعتراف کوئی معمولی اعتراف نہیں جو اس مضمون میں کیا گیا ہے۔ اُس وقت تو اہم مُلکوں کے سائنسدان ربوہ آتے تھے لیکن اس کے بعد تو اللہ تعالیٰ نے احمدیت کے ایک جلیل القدر فرزند محترم ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام دلوا کر خود ان سائنسدانوں میں سے بنا دیا جنہیں دنیا دعوت دیتی ہے اور اپنے ملکوں میں بلانا فخر سمجھتی ہے۔ یہ عزت پہلے کسی ...... کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور جلیل القدر فرزند حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب (خدا ان سے راضی ہو) کو دی وہ بھی آج تک کسی ...... کے حصہ میں نہیں آئی۔ آپ عالمی عدالت انصاف کے صدر رہے اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی بھی صدارت فرماتے رہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (آپ پر خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں) سے وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ وہ اس جماعت میں شامل ہونیوالوں کو علم و فضل میں سب دُنیا پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ سو ایسا ہی ہوگا اور کوئی نہیں جو اسے روک سکے۔

اسی طرح اس مضمون میں بجٹ کے ۲۵ لاکھ تک چلا جانے پر حیرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اب تو خدا کے فضل سے یہ بجٹ (باہر کی جماعتوں کو ملاکر) ۲۵ کروڑ سے بھی اُوپر جا چکا ہے اور ابھی کچھ ٹھہریں یہ انشاء اللہ ۲۵ ارب تک جا پہنچے گا۔ اور یہ صرف خوش فہمی نہیں اللہ تعالیٰ کا سابقہ سلوک بتا رہا ہے کہ یہ بھی اسکے لئے کچھ مشکل نہیں۔ یکصد تراجم قرآن کریم پر بھی کم و بیش ۱۵ کروڑ روپیہ صرف ہو گیا ہے اور ابھی بے شمار اور لٹریچر اس کے علاوہ ہے جو سب غیر مسلموں کے لئے ہے۔ تا وہ دینِ حق سے روشناس ہوں۔

جماعت احمدیہ کے پھیلاؤ کی خدا کے فضل سے یہ صورت ہے کہ اُس وقت سے جب مذکورہ بالا مضمون لکھا گیا جماعتوں کی تعداد دسیوں گنا ہو کر ۱۱۷ ممالک میں پھیل چکی ہے۔ اور یہ سب کچھ باوجود اس مخالفت کے ہے جو اپنے احاطہ میں بعض سربراہانِ ملک کو بھی لے چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اس طرح راستہ سے اُٹھا لیا جس طرح تنکا ہٹایا جاتا ہے۔

کیا یہ سب اس خدائے ذوالجلال والاکرام کی صفتِ "عزیز" کا جلوہ نہیں؟ کیا یہ ثابت اور قطعی ثابت نہیں کرتا کہ وہ خدا واقعی موجود ہے اور اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ موجود ہے؟ کوئی نہیں جو اس کے راستہ میں روک پیدا کر سکے خواہ وہ پہاڑوں جیسی شخصیتوں والے علماء ہوں یا کسی ملک کے انتہائی اختیار رکھنے والے صدر ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کی طاقتوں کو سلب کر دیتا ہے، ان کی کوششوں کو ناکام بنا دیتا ہے اور اپنی غریب جماعت کو ہر وقت خود سہارا دے کر اور ان کی حقیر کوششوں کو نوازتے ہوئے ان میں بے انتہا برکت ڈال دیتا ہے اور ان کو آگے سے آگے لے جاتا چلا جاتا ہے۔

فتوحات
قرآنی تعلیمات کی روشنی میں

(مکرم مولانا بشارت احمد صاحب بشیر)

دینی تعلیمات کی اساس — تقویٰ

ہمارا دین ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کی تعلیمات کی وسعت اور ہمہ گیری انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ ان تمام تعلیمات کی اساس تقویٰ پر ہے۔ ان میں سے ایک شعبہ جنگ وجدال اور عسکری نظام سے تعلق رکھتا ہے۔ سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ میں خصوصاً جنگی احکام اور شرائط کا ذکر ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (الانفال آیت ۳۰)

"اے مومنو! اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ تمہارے لیئے ایک بڑے امتیاز کا سامان پیدا کرے گا۔ اور تمہاری کمزوریوں کو دُور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

اس آیتِ کریمہ میں فرقان نے بھی طرۂ امتیاز "تقویٰ" کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی شان میں سورۃ الرعد میں فرمایا:-

يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ ۚ (الرعد آیت ۱۴)

اس آیت کے ظاہری معنوں کے علاوہ دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ فتوحات اور دینی نظام کے قیام میں جن مقدس وجودوں کا دخل ہوگا وہ دو صفات کے حامل ہوں گے۔ **اوّل** جو جنگی فنون اور سیاسی تدابیر کے ماہر ہوں گے۔ **دوم** روحانی لحاظ سے وہ قدوس ہوں گے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں بائبل میں مذکور ہے:۔

"..... اور وہ فاران کے پہاڑ سے ہی جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔" (استثناء ۳۳/۱)

یسعیاہ نبی نے بھی ان کی صفت ان میں فرمایا ہے :۔

"وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ اور بحری ممالک میں اس کی ثنا خوانی کریں گے۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا۔ وہ نعرے مارے گا۔ ہاں وہ للکارے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا۔" (یسعیاہ ۴۲/۱۲-۱۳)

نپولین جیسے فاتح کو ابتدائی مسلمانان مکہ کی عظیم الشان فوجی فتوحات پر رشک آتا تھا۔ (دیکھو نپولین کی نوشتہ فرانسیسی یادداشت جزیرہ سینٹ ہلینا)

مجاہدین اسلام کا لائحہ عمل

مسلمانوں کی فتوحات کے اسباب و محرکات ملک گیری کی ہوس اور حصول دولت و زر نہ تھی بلکہ ان کی جملہ مساعی حفاظت خود اختیاری، امن کا قیام اور مذہبی آزادی کا حصول رہا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کی خاطر مجاہدین اسلام کو جو تعلیم دی گئی ہے اس کا ذکر یوں ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

(انفال آیت ۴۶-۴۷)

"اے مومنو! جب تم (کافروں کی) کسی فوج کے مقابل پر آؤ تو قدم جمائے رکھو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہا کرو اور آپس میں اختلاف نہ کیا کرو (اگر ایسا کروگے) تو دل چھوڑ بیٹھو گے اور تمہاری طاقت جاتی رہے گی اور صبر کرتے رہو اللہ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

آیت مذکورہ بالا میں فتوحات کے گُر بیان ہوئے ہیں :۔

(۱) **فاثبتوا** :۔ حریف خواہ کتنا بھی طاقتور معلوم ہو تم ثابت قدمی دکھاؤ۔ ہر مومن مجاہد کے دل میں یہ یقین کامل ہو کہ وہ اپنے مدمقابل پر فتح پائے گا اور غالب رہے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت فرمائے گا۔

(۲) **واذکروا اللہ کثیرًا** :۔ امن میں تو تم شب و روز عبادت میں مشغول رہتے ہو حالت حرب و ضرب میں خدا تعالیٰ کے ذکر سے غافل مت رہو۔ کیونکہ ذکر الٰہی سے جرأت ایمانی پیدا

ہوتی ہے۔

(۳) اطیعوا اللّٰہ و رسولہٗ: جو احکام دورانِ جنگ میں ملیں اُن پر کاربند ہو جاؤ۔

(۴) ولا تنازعوا:- کبھی تنازع مت کرو۔ تنازع و تخالف سے قومی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔

(۵) واصبروا:- خوب مضبوطی سے جمے رہو۔ یہ نہیں کہ مشکلات آنے پر گھبراؤ۔ یہ فاتح اقوام کا لائحہ عمل ہے۔ جب مسلمان اس پر عمل کرینگے فتوحات ان کے قدم چومیں گی۔ جیسا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں صحابہؓ اپنی کم مائیگی، بے بضاعتی، اور بے سروسامانی کے باوجود کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہوئے۔

مستشرقین کے اعتراض کا جواب

مسلمانوں کی ان فتوحات نے عالم عیسائیت کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ مستشرقین نے اسلام کی اس برق رفتاری اور سرعت سے پھیلاؤ کا باعث "تلوار" کو بتایا ہے۔ جیسا کہ چارلس ہلس اپنی تصنیف "ہسٹری آف محمڈن ازم" (THE HISTORY OF MOHAMMADONISM II EDITON) کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:-

"تعطّل کی ایک خوشگوار گھڑی میں اس زمانہ میں جب کہ معاشرتی اور مذہبی اقدار منقطع ہو چکی تھیں اور انسانی جذبات کو ایک نیا رُخ دیا جا سکتا تھا۔ جوش و جذبات کے پردہ پر ایک غیر معروف شخصیت نمودار ہوئی جو بہ یک وقت نبی اور مقنّن کے اوصاف سے متصف تھی جسکے ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ محمدؐ اور اس کے خلفاء نے تمام مذہبی دنیا اور معاشرتی اداروں کے خلاف اپنی جنگ شروع کر دی۔"

مسلم سوانح نگاروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرائیویٹ اور پبلک لائف کی چھوٹی سی چھوٹی تفصیل کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی نشست و برخاست، تکلّم اور تبسّم، بالوں کو وسمہ لگانا وغیرہ تک کا بھی ذکر کیا ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ آپؐ کو عسکری قوت بھی حاصل تھی جس کے بل بوتے پر آپؐ نے فتوحات حاصل کیں۔ مکّی زندگی کے تیرہ سال آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کفارِ مکّہ کے مظالم کا تختۂ مشق بنے رہے۔ ہجرت کے بعد بھی دشمنوں نے چین نہیں لینے دیا۔ بالآخر ان مظلوموں کی آہ و پکار نے عرشِ الٰہی کو ہلا کر رکھ دیا۔ تب یہ ارشاد نازل ہوا:-

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ○

اب صحابہ کرام کو جن سے دشمن برسرِ پیکار ہے اور جن پر مظالم ڈھائے گئے ہیں باقاعدہ دفاع کی اجازت دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر قادر ہے چنانچہ حق و باطل کا پہلا معرکہ جو بدر کے مقام پر پیش آیا کفارِ مکّہ جو مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے اور سامانِ حرب و ضرب سے پوری طرح لیس تھے ان کے بالمقابل صحابہؓ نفری اور سامانِ حرب و ضرب کے لحاظ سے کم تھے خدا تعالیٰ نے

ان کو فتح مبین عطا فرمائی۔

قرآن مجید کی تعلیم تو لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ہے یعنی دین کے معاملہ میں جبر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ رشد اور گمراہی ہر دو کے محاسن اور قبائح واضح ہو چکے ہیں اور اب مذہبی آزادی ہے جس کا جی چاہے اور جو چاہے قبول کرے۔ اگر لوگ جبر کے ذریعہ اسلام میں داخل کئے جاتے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم اقوام سے معاہدات کیوں کرتے۔

صحابہ کرامؓ کی مظلومیت کا ذکر یسعیاہ ۲۱/۱۳-۱۷ میں بھی آیا ہے۔ اس باب کا عنوان ہے "عرب کی بابت الہام" اس میں صاف بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔ آپؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا جائے گا اور آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا جائے گا۔ لکھا ہے:۔

"..... وے تلواروں کے سامنے سے
.... ننگی تلواروں سے اور کھینچی ہوئی کمان
سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں"

یسعیاہ کی اس مذکورہ پیشگوئی کے مطابق ان کی مظلومیت عیاں ہے۔ بخاری کتاب التفسیر میں ہے۔

اسلامی فتوحات کا پس منظر

فاتح اقوام وہی کہلا سکتی ہیں جو قیادت اور اطاعت کے اصولوں سے واقف ہوں صحابہ کرامؓ ان اصولوں سے بخوبی واقف تھے۔ اسلام نے یہ رُوح صحابہؓ میں اتم درجہ پر پیدا کر دی تھی۔ تاریخ اسلام کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں دمشق فتح کیا۔ اس دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات ہو جاتی ہے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوتے ہیں تو آپ نے خالدؓ بن ولید کو معزول کر کے فوج کی کمان حضرت عبیدہ بن جراحؓ کے سپرد کرنے کے احکام صادر فرمائے۔ جشنِ فتوحات کے دوران ایک فاتح جرنیل کا اپنے ماتحت کو لشکر کی کمان سپرد کر دینا یہ ایسا واقعہ ہے جس کی تاریخ عالم میں نظیر نہیں ملتی۔

واشنگٹن ارونگ، اپنی کتاب "محمدؐ اور خلفاء" میں اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان فتوحات نے جو خالد کو اپنے عہدِ قیادت میں حاصل ہوئیں ان کو تیز و تند بنا دیا تھا تاہم وہ مشکلات و مصائب کی گھڑیوں میں اپنی اولوالعزمی اور فراخ دلی کا ثبوت دیتے رہے"

خالدؓ نے کہا:۔

"میں جانتا ہوں کہ عمرؓ مجھے پسند نہیں کرتا لیکن اب جبکہ ابوبکرؓ نے ان کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے آپ کے احکام میرے لئے واجب التعمیل ہیں"

خالدؓ نے دمشق میں عمرؓ کی خلافت اور اس سے وابستگی کا اعلان کیا اور فوج کی زمام ابوعبیدہؓ کے سپرد کر دی۔ ابوعبیدہؓ نے بخوشی فوج کی زمام سنبھالی لیکن انہیں یہ خیال گزرا کہ شاید خالدؓ کا پہلا جوش و خروش سرد پڑ جائے لیکن خالدؓ نے ماتحتی میں اپنی

قیادت سے بھی بڑھ کر کارنامے سرانجام
دیئے۔ خالدؓ کا یہ ذاتی کردار نہ صرف دشمنوں
سے دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے بلکہ ابوعبیدہؓ
کی نظر میں آپ کی وقعت اور عزت پہلے
سے بھی بڑھ گئی۔"

(محمدؐ اور خلفاء صفحہ ۲۶۸ نیویارک ۱۹۴۷ء)

یہی وہ قیادت اور اطاعت کا وصف تھا جس
نے اپنے سے دس گنا طاقتور حریف کو ہر میدانِ کارزار
میں شکستِ فاش دی۔

قرآن مجید نے ایک مسلمان قائد کے اوصاف کا
مندرجہ ذیل آیت میں ذکر کیا ہے:-

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ
عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ
عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ
رَّحِيمٌ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ
حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

(اے مومنو!) تمہارے پاس تمہاری
قوم کا ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے، تمہارا
تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے،
اور وہ تمہارے لیئے خیر کا بہت بھوکا ہے
اور مومنوں کے ساتھ محبت کرنے والا اور
بہت کرم کرنے والا ہے۔ پس اگر وہ پھر
جائیں تو تُو کہہ دے کہ اللہ میرے لیئے
کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور وہ عرشِ
عظیم کا رب ہے۔" (توبہ آیت ۱۲۹)

(۱) مِنْ أَنفُسِكُمْ: افسر اپنے ماتحتوں کو بھائی
سمجھے۔ افسری اور ماتحتی کا امتیاز روا نہ رکھے۔

(۲) عزیز علیہ: کوئی ایسا حکم نہ دے جو اُن
کی برداشت سے باہر ہو۔ سپہ سالار کا یہ بھی فرض
ہے کہ خواہ مخواہ فوج نہ کٹوائے۔

(۳) حریص علیکم: وہ اپنے ماتحت متبعین
کو دنیاوی فائدہ پہنچانے پر حریص ہو

(۴) رءوف: شفقت اور رأفت اس میں کوٹ
کوٹ کر بھری ہو۔

(۵) رحیم: اچھا کام کرنے والوں کا شکر گزار
ہو اور اُن کی توقعات سے بڑھ کر بدلہ دے۔

(۶) حسبی اللہ: نظام کے ماتحت اُن سے
کام لینے کے باوجود ان پر بھروسہ نہ رکھے۔
بالفرض اگر وہ کسی وقت تعمیلِ حکم سے انحراف
بھی کریں تو اس صورت کا اپنے آپ کو ذمہ دار
ٹھہرائے اور اللہ تعالیٰ کی امداد کو کافی سمجھے۔

تاریخ اسلام میں اس کی ایک واضح مثال ملتی
ہے۔ سریہ ذاتِ سلاسل میں حضرت عمر بن العاصؓ
سپہ سالار تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت
عمر فاروقؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح جیسے ممتاز
جلیل المرتبت صحابہؓ بھی شامل فوج تھے۔ اس حملہ میں
دشمن کو شکست ہوئی۔ سردی کا موسم تھا۔ لشکر نے
آگ جلا کر ہاتھ پاؤں تاپنا چاہا مگر سپہ سالار نے روک
دیا۔ فوجیوں کو اپنے افسر کا یہ حکم ناگوار گزرا۔ مگر تعمیلِ
حکم کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ بعد میں بعض صحابہؓ
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حضرت

عمر بن العاصؓ کی شکایت کی کہ قائد سختی کرتا ہے۔ اس پر آپ کی جواب طلبی ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس لئے منع کیا تھا کہ آگ کی روشنی میں دشمن ہماری قلت پر مطلع ہو جائے گا۔ اس واقعہ سے کئی سبق ملتے ہیں:۔

اوّل۔ افسر کے حکم کی بلا تامل تعمیل کی جائے بشرطیکہ ایسا حکم اسلامی تعلیم کے خلاف نہ ہو۔ عصرِ حاضر میں مغربی تہذیب کی نقالی میں جو ملک بھر میں سٹرائیک اور ہڑتالیں کی جاتی ہیں قوم کی عملی قوت کو فنا کر دیتی ہیں۔

دوم۔ اطاعت کے ساتھ اسلام حریتِ ضمیر کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ اگر افسر سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو عوام کا حق ہے کہ اس کی وضاحت کروا کر اپنی تسلی کروالیں۔

سوم۔ اسلامی تعلیمات کا نقطۂ مرکزیہ توحید ہے۔ وحدت کا استحکام کامل اخوت اور مساوات پر ہے۔ اس میں بڑے چھوٹے، شاہ و گدا کا امتیاز کلیۃً مٹ جاتا ہے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہوتے ہیں تو عمر فاروقؓ ان کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اگر عمر بن العاصؓ سپہ سالار مقرر ہوتے ہیں تو حضرت ابوبکرؓ اُن کے سامنے مجسّم اطاعت بن جاتے ہیں۔

حضرت عمر بن العاص کا یہ اقدام کہ آگ نہ جلائی جائے آج تک اس سٹریٹیجی یعنی جنگی اصول پر عمل ہوتا آیا ہے۔ یہاں تک کہ رات کو بلیک آؤٹ ہوتا ہے اور خندقوں میں سگریٹ تک نہیں سلگایا جاتا۔ باوجودیکہ زمانہ ترقی کر چکا ہے یہ جنگی اصول تبدیل نہیں ہو سکا اور اس پر آج بھی باقاعدگی کے ساتھ عمل ہوتا ہے۔

اسلامی فتوحات کے اسباب و محرکات میں سے مسلمانوں کا اپنا اخلاق اور کردار بھی تھا جس نے دشمن کو تلوار سے زیادہ گھائل کر کے رکھ دیا تھا مسلمانوں نے جب رومی حکومت کے علاقے حمص پر قبضہ کر لیا اور پھر کچھ عرصے کے بعد مسلمانوں نے دوبارہ دشمن کے خطرہ کے پیشِ نظر خالی کرنا چاہا تو اس وقت جو رقم بطور ٹیکس یا جزیہ وصول کی تھی اس بناء پر کہ اب اسلامی حکومت اُن کی اور اُن کے جان و مال کی حفاظت نہ کر سکے گی جزیہ کی وصول شدہ رقم واپس کر دی۔ اس اعلیٰ درجہ کے نمونہ کا وہاں کے باشندوں پر اتنا اثر ہوا کہ عیسائی اور یہودی اسلامی لشکر کو واپس جاتے دیکھ کر روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ خدا تم کو جلد واپس لائے۔ یہودیوں نے تو یہاں تک اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔

(فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۷)

معاہدات کی پابندی

اسلامی فتوحات کی نمایاں خصوصیت معاہدات کی پابندی ہے۔ غیر اقوام خصوصاً مغربی اقوام دھوکہ دہی اور عہد شکنی کی مرتکب ہوتی رہی ہیں۔ قرآن مجید ان معاہدات کی پابندی کو لازم قرار دیتا ہے۔ اور اگر فریق ثانی سے کسی خیانت اور عہد شکنی کا ثبوت ملے تو اُسے اس معاہدہ کی منسوخی کی اطلاع اتنا عرصہ پہلے کر دی جائے کہ اگر وہ دوبارہ بھی جنگ کرنا چاہے تو اُسے تیاری کے لئے کافی مہلت مل سکے۔

جیسا کہ فرمایا:۔

اَلَّذِیْنَ عٰھَدْتَّ مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّةٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ۝

(انفال آیت ۵۷)

پھر فرمایا:۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ط

(انفال آیت ۵۹)

چنانچہ یہودِ مدینہ کے تینوں قبائل قینقاع، نضیر، قریظہ جن سے معاہدہ ہو چکا تھا لیکن ابھی معاہدہ کی سیاہی خشک بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ یہود نے خلاف ورزی شروع کر دی اور قریشِ مکہ سے مل کر مسلمانوں کی تباہی کی سازشیں کرنے لگے اور پھر سزا اور جلاوطنی کے مستوجب قرار پائے۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً میں بتایا کہ جو قوم کھلے طور پر مقابلہ میں نہ آئے اور غدر اور فریب کا اُن سے اندیشہ ہو تو ان میں کھلے طور پر اعلان کر دو کہ اب معاہدہ فسخ ہو گیا ہے۔

اسلامی مملکت کی بقا اور استحکام کا اصول

اسلام نے دین اور وطن کی حفاظت کے لیئے ایک زرّیں اصول بتایا ہے جو ملکی استحکام کے لیئے نہایت ضروری ہے۔ فرمایا:۔

وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ ...الخ

(انفال آیت ۶۱)

واعدوا لھم ما استطعتم، اس میں دو باتوں کا حکم ہے۔ (۱) دشمن قوت کی مدافعت کا سامان (۲) مستعد اور چوکس رہنا یعنی فوجی نظام ایسا مکمل ہو کہ دشمن کو سرحد سے آگے نکل سکنے کی جرأت نہ ہو۔

مِنْ قُوَّةٍ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آپؐ نے بعض صحابہؓ کو منجنیق اور دبابات جسے آجکل کی اصطلاح میں ٹینک کہتے ہیں کی صنعت سکھانے کے لیئے بعض علاقوں میں بھیجا۔ طائف میں ٹینک سازی کی صنعت تھی۔ اور جب صحابہؓ نے پہلی بار طائف کا محاصرہ کیا تو آنحضرتؐ نے سب سے پہلے منجنیق کا استعمال کیا۔ جرش نامی شہر اُس زمانے میں دبابات، منجنیق، عرادات کی صنعت میں بہت مشہور تھا۔ عروہ بن مسعودؓ ثقفی اور محمودؓ بن غیلان دونوں صحابیوں نے جرش جا کر ان آلات کے بنانے کا طریق سیکھا تھا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۲۱ وفد ثقیف)

الغرض اسلام نے جنگوں اور فتوحات کے ضمن میں اس قدر تفصیلی اور قیمتی نصائح عطا فرمائی ہیں جو رہتی دنیا تک مشعلِ راہ ہیں۔ ان پر عمل کر کے مسلمانوں نے ماضی میں بے پناہ کامیابیاں حاصل کیں اور یہی کامیابیاں آج بھی ان کو کامیابیوں سے ہمکنار کر سکتی ہیں ---!

گہنایا ہے سورج تو ہوا چاند بھی تاریک

آیا تھا وہ ہمراہ مگر صاحبِ معراج
جبریل نے بھی آپؐ سی قربت نہیں دیکھی

ہو آپؐ سے بڑھ کر جو حسین اور مطہّر
اب تک میری آنکھوں نے وہ صورت نہیں دیکھی

جس شخص کو مل جائے محمّدؐ کی غلامی
اس جیسی کسی اور کی قسمت نہیں دیکھی

جو آپؐ کی پیشانی پہ تھی رشکِ مہ و مہر
بوجہل نے وہ مُہرِ نبوّت نہیں دیکھی

کنکر نے پڑھا کلمہ ہوا چاند بھی دولخت
کفّار نے کیا پھر بھی کرامت نہیں دیکھی

گہنایا ہے سورج تو ہوا چاند بھی تاریک
اب مہدیٔ دوراں کی صداقت نہیں دیکھی

دیکھے ہیں بہت صاحبِ الطاف و عنایت
عابدؔ نے مگر آپؐ سی رحمت نہیں دیکھی

(لئیق احمد عابد)

سیرت حضرت علیؓ — حلم اور بُردباری

(مکرم عبدالسمیع خان صاحب استاذ جامعہ احمدیہ ربوہ)

خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک ہمہ گیر شخصیت اور اپنے آقا و مطاع کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ اُن مردانِ خدا میں سے ہیں جنہوں نے تاریخ عالم میں شجاعت کی صفت میں غیر معمولی نام پایا ہے۔ اور عام طور پر سیرت نگاروں اور مؤرخین نے اتنی شدت اور شرح و بسط سے آپ کی بہادری اور شجاعت کا ذکر کیا ہے کہ آپ کی بعض دیگر ارفع و اعلیٰ صفات کا تذکرہ دب کر رہ جاتا ہے۔ انہی میں سے صبر اور حلم اور تحمل اور بردباری کے اوصاف بھی ہیں۔ جو اپنی پوری شان اور تمام دلآویز رنگوں کے ساتھ حضرت علیؓ کے وجود میں ظاہر ہوئے۔ اور ان تمام صفات کے مابین ایک ایسا حسین توازن تھا جو ہر افراط اور تفریط کے داغ سے کلیۃً پاک تھا۔ اس امتزاج کی کلید رضائے باری تعالیٰ کا وہ لافانی جذبہ تھا جو حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔

سب سے پہلا قابل توجہ امر یہ ہے کہ سطحی نظر سے شجاعت اور حلم متقابل صفات نظر آتی ہیں جن میں سے ایک صفت دوسری کو مٹا کر اس کی جگہ لیتی ہے مگر شریعتِ حقّہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ہرگز کوئی تضاد نہیں بلکہ گہرا رحمی تعلق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی منبع سے پھوٹنے والی دو شاخیں اور ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔

اس راز کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان صفات کی حقیقت اور عملی مناظر پر کسی قدر روشنی ڈالی جائے۔

کلام اللہ نے شجاعت کی تعریف یہ کی ہے کہ شدید طوفانوں اور سخت تکالیف (خواہ وہ نفسِ امّارہ کی طرف سے ہوں یا کسی بیرونی دشمن کی طرف سے ہوں) کا خدا کی خاطر صبر اور استقامت سے مقابلہ کرنا۔ ایسے بہادروں کی شجاعت میں کوئی ریاکاری اور خود بینی نہیں ہوتی اور نہ نفس کی پیروی شامل ہوتی ہے بلکہ محض خدا کی رضا کی خواہش اور اس کے احکام کی بجا آوری مقصود ہوتی ہے۔ سیدنا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اس فلسفہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حقیقی شجاعت کی جڑ صبر اور ثابت قدمی

ہے اور ہر ایک جذبۂ نفسانی یا بلا جو دشمنوں کی طرف سے حملہ کرے اس کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا اور بزدل ہو کر بھاگ نہ جانا یہی شجاعت ہے سو انسانی شجاعت اور ایک درندہ کی شجاعت میں بڑا فرق ہے۔ درندہ ایک ہی پہلو پر جوش اور غضب سے کام لیتا ہے اور انسان جو حقیقی شجاعت رکھتا ہے وہ مقابلہ اور ترک مقابلہ میں جو کچھ قرینِ مصلحت ہو وہ اختیار کر لیتا ہے۔" [1]

پس انسان جب خدا کی خاطر دشمن کا مقابلہ کرتا ہے تو وہ شجاع کہلاتا ہے اور جب محض رضائے باری تعالیٰ کے لئے مقابلہ سے دستبردار ہو جاتا ہے اور صبر اور عفو کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ صابر اور حلیم اور بردبار کہلاتا ہے۔

اس مضمون کی تائید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک سے ہوتی ہے کہ:۔

لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ [2]

یعنی بہادر محض وہ نہیں جو مقابلہ کے وقت دوسرے کو نیچا دکھا دے۔ بلکہ اصلی بہادر تو وہ ہے جو شدید غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھتا ہے۔

اس لحاظ سے سب سے بڑے شجاع اور صابر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کا ہر خُلق پورے شعور کے ساتھ شریعت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے موقع و محل کے مطابق صادر ہوتا تھا۔

اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عائشہؓ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا کیا پیارا نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتی ہیں:۔

مَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِہٖ فِیْ شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ تُنْتَھَکَ حُرْمَۃُ اللّٰہِ فَیَنْتَقِمُ لِلّٰہِ بِھَا۔ [1]

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا لیکن اگر خدا تعالیٰ کی قائم کردہ کسی چیز کی حرمت پامال کی جاتی تو پھر محض خدا کی خاطر انتقام لیتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی وجود کا آئینہ اور اسی مدرسہ کے بلند پایہ صاحب عرفان طالب علم تھے۔ آپ کی ہستی کا تمام تر مدار مرضیٔ مولیٰ پر تھا۔ شجاعت دکھائی تو اُسی کی خاطر اور حلم کے پھول برسائے تو اُسی کے نام پر — آپ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ ہو یا امن آپ کی شجاعت اور حلم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے تھے اور کہیں کوئی ٹکراؤ اور تصادم نظر نہیں آتا۔ ان دونوں رنگوں کا ایک خوبصورت امتزاج ذیل کے واقعہ میں

---

[1] اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ
[2] صحیح بخاری کتاب الادب بَابُ الحذر مِنَ الغضب۔

[1] صحیح بخاری کتاب الادب باب یسّروا ولا تعسّروا۔

پوری رعنائی کے ساتھ نظر آتا ہے جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی ایک کافر پہلوان سے جنگ شروع ہوئی۔ بار بار اس کو قابو کرتے تھے وہ قابو سے نکل جاتا تھا۔ آخر اس کو پکڑ کر اچھی طرح سے جب قابو کیا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور قریب تھا کہ خنجر کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیتے کہ اس نے نیچے سے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ جب اس نے ایسا فعل کیا تو حضرت علیؓ اس کی چھاتی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو چھوڑ دیا اور الگ ہو گئے۔ اس پر اس نے تعجب کیا اور حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ نے اس قدر تکلیف کے ساتھ پکڑا اور میں آپ کا جانی دشمن ہوں اور خون کا پیاسا ہوں۔ پھر باوجود ایسا قابو پا چکنے کے آپ نے مجھے اب چھوڑ دیا یہ کیا بات ہے؟

حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ ہماری تمہارے ساتھ کوئی ذاتی عداوت نہیں۔ چونکہ تم دین کی مخالفت کے سبب مسلمانوں کو دکھ دیتے ہو اس واسطے تم واجب القتل ہو۔ اور میں محض دینی ضرورت کے سبب تم کو پکڑتا تھا۔ لیکن جب تم نے میرے منہ پر تھوک دیا اور اس پر مجھے غصہ آیا تو میں نے خیال کیا کہ یہ اب نفسانی بات درمیان میں آ گئی ہے اب اس کو کچھ کہنا جائز نہیں تاکہ ہمارا کوئی کام نفس کے واسطے نہ ہو۔ جو ہو سب اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو۔ جب میری اس حالت میں تغیر آئے گا اور یہ غصہ دور ہو جائے گا تو پھر وہی سلوک تم سے کیا جائے گا۔

اس بات کو سن کر کافر کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ تمام کفر اس کے دل سے خارج ہو گیا اور اس نے سوچا کہ اس سے بڑھ کر اور کونسا دین دنیا میں اچھا ہو سکتا ہے جس کی تعلیم کے اثر سے انسان ایسا پاک نفس بن جاتا ہے۔ پس اس نے اسی وقت توبہ کی اور مسلمان ہو گیا"۔ [1]

حضرت مولانا رومؒ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

تیغ حلم از تیغ آہن تیز تر
بل زصد لشکر ظفر انگیز تر [2]

یعنی حلم کی تلوار لوہے کی تلوار سے زیادہ تیز اور فتح و کامرانی کے میدان میں سو لشکروں سے بڑھ کر ہے۔

بلاشبہ آپ نے ہر موقع پر بہادری کے بے نظیر جوہر دکھائے مگر آپ کی یہ شجاعت اور بہادری خالصۃً للہ تھی۔ آپ کو اپنے نفس پر پورا قابو حاصل

---

[1] بدر ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۴
[2] حکایات رومیؒ صفحہ ۵۷

تھا اور جب اور جس موقع پر بھی آپ کو خیال پیدا ہوتا کہ اس وقت میرے اس فعل میں نفس کی ملونی کا اشتباہ ہے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لیتے خواہ آپ کو اس کے نتیجہ میں کتنے ہی خطرناک حالات سے دوچار ہونا پڑتا۔

جنگوں میں کتنی ہی دفعہ حضرت علیؓ کو یہ موقع ملا کہ وہ دشمن کو موت کے گھاٹ اُتار دیں اور ایسے وقت میں نفسانی جذبات خوب ہجوم کرتے ہیں مگر انہوں نے ہمیشہ ان جذبات کا قلع قمع کیا اور خدا کی خاطر حلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو زندگی بخش دی۔

جنگ اُحد میں حضرت مصعب بن عمیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عَلَم بردار تھے۔ شدید گھمسان کی لڑائی میں وہ شہید ہو گئے تو حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر عَلَم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی۔ مشرکین کے عَلَم بردار ابوسعد بن ابی طلحہ نے آپ کو مقابلہ کے لئے للکارا۔ شیرِ خدا نے آگے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر تڑپنے لگا اور لجاجت کے ساتھ زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔ دشمن کی اس کیفیت پر حضرت علیؓ کو رحم آگیا اور وہ اسے زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔[۱]

ایک ایسا ہی واقعہ جنگِ جمل میں بھی پیش آیا۔ جب آپ نے پوری جرأت کے ساتھ ایک مخالف پر ایسا زبردست وار کیا کہ اس کا سلامت بچنا ممکن نہیں تھا۔ جس کے نتیجہ میں وہ ایسی بدحواسی کے ساتھ گھوڑے سے گرا کہ بالکل برہنہ ہو گیا۔ فاتحِ خیبر نے اپنے جانی دشمن کو اس حال میں دیکھ کر مُنہ پھیر لیا اور کوئی تعرض کئے بغیر واپس ہو گئے۔[۱]

حضرت علیؓ کا عہدِ خلافت قریباً سارے کا سارا بڑی افراتفری اور خانہ جنگیوں کے عالم میں گزرا۔ تین بڑی جنگیں تو اندرونی مخالفین کے ساتھ لڑنا پڑیں۔ غیر اقوام کے مفتوحہ علاقوں میں بھی پے درپے فتنے پیدا ہوتے رہے اور امن کے پرندے پرواز کر گئے۔ ان حالات میں کوئی اور ہوتا تو اپنے حواس کھو بیٹھتا۔ . . . .

. . . .

. . ۔ مگر وہ عالی شان وجود جسے خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے لئے چُنا تھا وہ ہمہ وقت خدا اور اس کے رسولؐ کی مرضی کو پورا کرنے میں لگا رہا۔ اور شجاعت اور بہادری کے ساتھ صبر و تحمل اور عفو و درگزر کے وہ نظارے دکھائے جو رہتی دُنیا تک یادگار رہیں گے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ آپ کی تعریف میں فرماتے ہیں:۔

كَانَ صَبُوْرًا وَمِنَ الصَّالِحِيْنَ[۲]

آپ بڑے صابر اور اللہ تعالےٰ کے صالح بندے تھے۔

حضرت علیؓ جنگ اور اس کی ہولناکیوں سے خوب واقف تھے اور آپ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ امن اور صلح کو ہی ترجیح دیتے تھے اور جنگ کو بحالتِ مجبوری ہی اختیار کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی کے ساتھ جنگ کا آغاز

۱۔ اسد اللہ صفحہ ۱۶۶

۱۔ سیر الصحابہؓ جلد اول صفحہ ۲۸۲
۲۔ سر الخلافہ صفحہ ۳۰

نہیں کیا۔ اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو ایک دفعہ ان الفاظ میں نصیحت فرمائی :-

کبھی جنگ کی دعوت نہ دینا۔ لیکن اگر تمہیں جنگ کی طرف بلایا جائے تو گریز بھی نہ کرنا۔ کیونکہ جنگ کی طرف دعوت دینے والا ظالم ہے اور ظالم کا انجام ہمیشہ ہلاکت ہے۔[1]

چنانچہ اہل بصرہ نے حضرت علیؓ کے خلاف ہتھیار اُٹھائے تو حضرت علیؓ نے اُن کے متعلق فرمایا:-

میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں اصلاح کی کوشش کروں۔ اگر اہل بصرہ باز آ گئے تو میرا مقصد پورا ہو گیا۔ لیکن اگر انہوں نے کجی اختیار کی اور اپنی ضد پر قائم رہے تو بھی ہم ان کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں گے اور لڑائی سے اُس وقت تک گریز کریں گے جب تک وہ ظلم اور لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔ ہم اصلاح کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے اور ہر حال میں فساد کے مقابلہ میں اصلاح کو ترجیح دیں گے۔[2]

ایسے الفاظ اسی شخص کے مُنہ سے نکل سکتے ہیں جو مغلوب الغضب نہ ہو۔ صلح اور محبت کا دلدادہ ہو۔ فساد کا دشمن ہو اور اپنے دشمنوں کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات سے یکسر مبرا ہو۔ قرآن کریم کا یہ اعلان کتنا دلآویز ہے :-

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ[1]

یعنی بدی کا بدلہ اتنی ہی بدی ہوتی ہے اور جو معاف کرے اور اصلاح کو مدنظر رکھے تو اس کو بدلہ دینا اللہ کے ذمہ ہوتا ہے۔

پس آپ حتی الامکان صبر سے کام لیتے، صلح اور امن کو ترجیح دیتے اور جب مجبوراً جنگ کے میدان میں اُترنا ہی پڑتا تو اعلیٰ انسانی قدروں کو کبھی فراموش نہ ہونے دیتے اور دشمن کے ساتھ ہر ممکن رحم اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے۔

حضرت علیؓ کے ساتھ جو لوگ جنگِ صفین میں موجود تھے اُن میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ صفین پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ حضرت معاویہ کا لشکر ایک کھلے ہموار میدان میں خیمہ زن ہے اور اُس نے پانی کے گھاٹ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ دشمن نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ہمیں پانی حاصل نہ کرنے دے گا۔ ہم پریشان ہو کر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور صورت حال بیان کی۔ امیر المومنین نے صعصعہ بن صوحان کو بلا کر حکم دیا کہ معاویہ کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ ہم تمہارے مقابلہ کے لئے آئے ہیں مگر اتمامِ حجت سے پہلے جنگ کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس کے برعکس تمہارا رویہ یہ رہا ہے کہ اپنی سوار اور پیدل فوج لے کر چڑھ آئے اور

---

[1] حضرت علیؓ صفحہ ۲۳
[2] خلفائے محمدؐ مترجم صفحہ ۵۴

[1] الشوریٰ آیت ۴۱

ہم سے جنگ کا آغاز کر دیا۔ ہم اب بھی جنگ پسند نہیں کرتے اور پہلے اتمام حجت ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمیں پانی سے محروم کر کے تم نے یہ دوسرا اقدام کیا ہے ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ لوگ پانی پینے سے باز نہیں رہ سکتے۔ اس لیئے اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ گھاٹ خالی کر دیں اور اس وقت تک کوئی قدم نہ اٹھائیں جب تک ہم دونوں اختلافی مسائل پر غور و فکر اور تبادلۂ خیال نہ کر لیں۔

حضرت معاویہ نے اس سلسلہ میں اپنے رفقاء سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے گفتگوئے صلح کی پیشکش کو اہمیت دیئے بغیر گھاٹ پر قبضہ جاری رکھا جائے۔ چنانچہ گھاٹ پر جو دستہ قابض تھا اُسے مزید کمک پہنچا دی گئی اور حضرت علیؓ کے آدمیوں پر بندش اور سخت کر دی گئی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھاٹ پر جنگ چھڑ گئی اور تھوڑی دیر کی تیر اندازی، نیزہ بازی اور تیغ آزمائی کے بعد حضرت علیؓ کی فوج نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔

یہ ایک بڑا سنہری موقع تھا۔ اب اگر حضرت علیؓ چاہتے تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دشمن کو پانی کی بوند بوند کے لیئے ترسا دیتے۔ اور کچھ لوگوں نے ان کے پاس آکر کہا کہ ہم دشمن کو پانی نہیں پینے دینگے مگر اس وقت حضرت علیؓ نے مدمقابل کے سفیر کا فریضہ سرانجام دیا اور اپنے آدمیوں کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا:-

تم اپنی ضرورت کے مطابق پانی لے کر اپنی فوج میں واپس چلے آؤ۔ دشمن اگر پانی لینے آئے تو اسے نہ روکو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دشمن کے ظلم و جور کے باعث ہی تو فتح سے ہمکنار کیا ہے۔ (کامل ابن اثیر جلد ۳ صہ ۲۸۳)

یہاں پر یہ دلچسپ امر قابل ذکر ہے کہ پانی کے گھاٹ پر حضرت علیؓ کے قبضہ کے بعد جب مخالف کیمپ میں پانی کے حصول کے متعلق اندیشے ظاہر کیئے جا رہے تھے اُس وقت بھی حضرت علیؓ کے حلم و کرم پر نظر کرتے ہوئے لشکرِ معاویہ کے ایک سرکردہ لیڈر حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا:-

"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں پانی لینے سے ہرگز نہیں روکیں گے۔"

اُن کا یہ خیال بالکل درست نکلا۔ جب اُن کے آدمی پانی لینے آئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا:-

"ہمارا دین اور ہمارا اخلاق ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اپنے دشمنوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں جیسا انہوں نے ہم سے کیا تھا۔"[1]

حضرت علیؓ کے اس احسن خُلق کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا کہ دونوں کیمپوں کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ اب باہم صلح ہو جائے گی[2]

اسی قسم کا موقع حضرت علیؓ کو اہل بصرہ سے جنگ کے وقت بھی ہاتھ آیا تھا مگر انہوں نے اُس وقت بھی عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے اپنے آدمیوں کو ناراض کر دیا مگر دشمن کو اپنے کرم سے

---

[1] خلفائے محمدؐ صہ ۹۵

[2] سیر الصحابہؓ جلد اول صہ ۲۷۹

محروم نہیں رکھا[۱]

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے ہونے والی لڑائی جنگِ جمل کے نام سے مشہور ہے۔ جنگ سے پہلے حضرت علیؓ تین دن تک فریقِ مخالف کو صلح کی دعوت دیتے رہے۔ مگر بعض غلط کاروں کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہوسکا اور جنگ ناگزیر ہوگئی تو حضرت علیؓ نے وضو کیا۔ دو رکعت نماز ادا کی اور خوب دعا کی۔ پھر اپنے ساتھیوں کو نصیحت کی کہ جنگ شروع کرنے میں ہرگز پہل نہ کی جائے اور جب مدِ مقابل پر غالب آجاؤ تو بھاگنے والوں کا ہرگز تعاقب نہ کرنا اور ان کے زخمیوں کو قتل نہ کرنا۔

جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد بھی آپ نے عام منادی کرائی کہ بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے۔ جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان دی جاتی ہے اور جو گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ جائے اس کو بھی امان دی جاتی ہے۔

حضرت علی بن حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں مروان بن حکم کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ:۔

میں نے تمہارے نانا جیسا کوئی نہیں دیکھا جس نے غلبہ پالینے کے بعد بھی انتہائی شرافت کا معاملہ کیا ہو۔ جب ہم جنگِ جمل میں پیٹھ دکھا کر بھاگے تو اُن کے منادی نے بآوازِ بلند اعلان کیا کہ بھاگنے والوں کو

مارا نہ جائے اور زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔[۱]

آپ کی عام تاکید یہ بھی تھی کہ کسی کی عزت و آبرو پر ہاتھ نہ ڈالا جائے۔ آپ کے دور میں مسلمانوں کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں آپ نے کبھی بھی اپنے ساتھیوں کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ دشمن کے کسی فرد کو جنگی قیدی بنائیں یا اُن کے اموال کو غنیمت کے طور پر قبضہ میں لیں۔[۲] بلکہ جنگ کے بعد حکم دیتے کہ مخالفین جو کچھ چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں وہ جمع کیا جائے پھر دشمن کے لیئے منادی کراتے کہ آئیں اور اپنی چیزیں پہچان کر لے جائیں۔[۳]

جب حضرت علیؓ کے ساتھی کہتے کہ جب ان لوگوں کا خون ہمارے لیئے حلال ہے تو مال کیوں حلال نہیں تو آپ فرماتے:۔

وہ بھی تم ہی جیسے لوگ ہیں جس نے ہم سے درگزر کیا وہ ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ اور جس نے ایسا نہیں کیا اور ہم سے جنگ کرتے ہوئے زخمی ہوگیا تو اس کی حفاظت کے لیئے میں سپر کا کام کروں گا۔[۴]

ایک اور موقع پر آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:۔

ان لوگوں کو قید کرنا اور ان کے اموال لوٹنا ہرگز جائز نہیں جو ایک خدا کا اقرار کرتے ہیں۔ تمہارے لیئے صرف اُن کے

۱ؔ حضرت علیؓ صفحہ ۴۷

۱ؔ سنن بیہقی جلد ۸ صفحہ ۱۸۰-۱۸۱

۲ؔ سنن بیہقی جلد ۸ صفحہ ۱۸۲

۳ؔ علیؓ و نبوہ مترجم صفحہ ۵۹

۴ؔ حضرت علیؓ صفحہ ۴۷

ہتھیار اور جنگی سواریاں جائز ہیں۔[1]

خوارج کو حضرت علیؓ سے جو شکوے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ کسی کو قیدی بنانے اور مال لوٹنے کی اجازت نہیں دیتے۔[2]

فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے بھائیوں کو قتل کرنا اور اُن کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔[3]

جنگِ صفین کے بعد ایک قیدی آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اُسے آزاد کر دیا اور فرمایا میں تمہارے معاملہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب فریقین میں جنگ جاری تھی۔ اور ایک ایک فرد دونوں لشکروں کے لیئے بہت قیمتی تھا۔[4]

حضرت علیؓ دشمن کو اُسی وقت تک دشمن تصور کرتے جب تک اس کے ہاتھ میں تلوار ہوتی۔ اُنہوں نے کبھی کسی عورت، کسی مفرور، کسی مجروح اور مقتول کو اپنا دشمن نہیں سمجھا خواہ وہ اُن کے خلاف لڑتے ہوئے ہی کیوں نہ مارا گیا ہو۔ دشمن مقتولین کی قبروں پر کھڑے ہو کر آنسو بہاتے اور اُن کے لیئے دعائے مغفرت کرتے۔

جنگِ جمل میں طرفین کے جو لوگ کام آئے حضرت علیؓ نے اُن سب کی بلا امتیاز نماز جنازہ پڑھی[5] اور

۱ خلفائے محمدؐ صہ ۸۲
۲ سُنن بیہقی جلد ۸ صہ ۱۷۹
۳ خلفائے محمدؐ صہ ۱۵۰
۴ سنن بیہقی جلد ۸ صہ ۱۸۲
۵ حضرت علیؓ صہ ۲۷-۴۸

نمازِ جنازہ کے بعد اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ عزت واحترام سے سب کی تدفین کا انتظام کریں۔[1]

مقتولوں کا مُثلہ کرنے سے منع کرتے اور فرماتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ تم کاٹنے والے کُتے کا بھی مُثلہ نہ کرو۔[2]

۱ خلفائے محمدؐ صہ ۶۲
۲ حضرت علیؓ صہ ۱۵۲

بوٹینیکل نرسریز

ہمارے ہاں ہر قسم کے امپورٹیڈ پودے۔ بلب کھاد بیج نیز فینسی اور سادہ گملے ہر سائز میں بازار سے ارزاں قیمت پر دستیاب ہیں۔ اس کے علاوہ پودوں کو کیڑوں سے بچانے کیلئے مختلف اقسام کی ادویات موجود ہیں

خالص شہد

LAND SCAP

سپیشلسٹ لینڈ سکیپ

پروپرائٹر شہزاد احمد خان

سینٹ پال چرچ، دی مال۔ راولپنڈی

فون نمبر ۶۴۰۱۲

پاک ایکسرے کلینک و کلینیکل لیبارٹری

اینڈ پاک الٹراساؤنڈ سنٹر

ہر قسم کے ایکسرے لیبارٹری ٹسٹ

اور

الٹراساؤنڈ

کے لیئے تشریف لائیں

پروپرائٹر نعیم احمد

پاک ایکسرے کلینک اینڈ کلینیکل لیبارٹری

سول ہسپتال روڈ بالمقابل ٹی بی کلینک گوجرانوالہ

راولپنڈی اور پشاور

جانے کی

ضرورت نہیں

ہر قسم کی ویلڈنگ سٹیل فیبری کیشن۔ گرل (GRILL) دروازے۔ کھڑکیاں اور سٹیل فرنیچر

کے لیئے

باعتماد ادارہ

میسرز شیراز انجینئرنگ ورکس

جی ٹی روڈ حسن ابدال (اٹک)

"درختِ وجود"

اگر کسی دشتِ بے اماں میں
جو آب و خاک روئیدگی سے
کسی بھی امکانِ زندگی سے
نا آشنا ہو

کبھی جو تم معجزہ یہ دیکھو

اِک ایسا تنہا درخت پاؤ
جو سَو برس تک
لمحہ لمحہ فنا سے لڑ کر
پتّا پتّا قضا سے جھڑ کر
محیطِ عالم پہ چھا گیا ہے
تمہارے آنگن تک آ گیا ہے

تو جان لینا

یہی "درختِ وجود" ہے وہ
کہ جس کے سایۂ عافیت میں
تمہارے امروز کی پناہ ہے
تمہارے فردا کی بھی بقا ہے

یہ روشنی دھوپ اور ہوا ہے
یہ ربِّ کونین کی عطا ہے

یہی رضا ہے
یہی جزا ہے

(مبشر احمد محمود)

استحکامِ پاکستان کے لئے جانباز احمدی فوجی افسران کی تاریخی قربانیاں

(مکرم مرزا خلیل احمد قمرؔ صاحب)

پاکستان کی مسلح افواج کے اعلیٰ ترین عہدے (جرنل) کے جتنے افراد نے ملک کیلئے جان قربان کی وہ سب احمدی تھے ———— !

جماعت احمدیہ نے تحریک پاکستان کے ہر موڑ پر اُس تاریخی جدو جہد میں بھرپور حصّہ لیا اور مملکتِ خداداد پاکستان کے معرضِ وجود میں آجانے کے بعد جب بھی ملک کی حفاظت کا مسئلہ پیش آیا احمدیوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ اپنے ملک پر قربان کردیا اور ہر آزمائش کے موقعہ پر پورے اُترے۔ خواہ وہ آزادیٔ کشمیر کی جنگ ۱۹۴۸ء ہو یا رن آف کچھ کا معرکہ ہو، ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ ہو یا دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ ہو۔ پاکستان کی ۴۱ سالہ تاریخ اِس امر پر گواہ ہے کہ جب بھی پاکستان کو اندرونی اور بیرونی خطرہ درپیش ہوا پاکستان کے بہادر احمدی جوانوں نے پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت اپنے خون سے کی ہے اور میدانِ جہاد میں اپنے ملک کا نام سربلند رکھنے کی خاطر دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح سینہ سپر رہے۔

احمدیوں کی قربانیوں کا ذکر کرنے کے لئے بطور مثال ذیل میں ۱۹۴۸ء میں کشمیر کی جنگ میں فرقان بٹالین کے کارنامے، رن آف کچھ کے ہیرو و افتخارِ جنجوعہ، فاتح چھمب جوڑیاں جنرل اختر حسین ملک، چونڈہ کو ہندوستانی ٹینکوں کا قبرستان بنا دینے والے بہادر سپوت جنرل عبد العلی ملک، ناقابلِ تقلید ہوا باز سکواڈرن لیڈر منیر ہوا فضائی ریکارڈ قائم کرنے والے فلائنگ آفیسر شمس الحق، میجر قاضی بشیر احمد اور کرنل بشارت احمد کی بہادری، جرأت، مہارت، ذہانت

اور جنگی منصوبہ بندی کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ واقعات پاکستان کی محبت میں احمدیوں کی زبردست قربانیوں کے محض چند ابواب ہیں۔ پوری تفصیلات تو بہت ضخامت چاہتی ہیں۔

اس ضمن میں ایک بہت بڑی حقیقت کا بیان ضروری ہے۔ اور یہ اتنی بڑی بات ہے کہ جس کو احمدی جانبازوں کی وطن سے محبت کے ضمن میں سب سے بڑی شہادت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پاکستان کی تین جنگیں ہوئیں۔ ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۵ء، اور ۱۹۷۱ء کی جنگیں۔ فوج کا سب سے بڑا عہدہ جنرل کا ہوتا ہے (میجر جنرل یا لیفٹیننٹ جنرل)۔ ان تینوں جنگوں میں پاک فوج کے اعلیٰ ترین عہدے کے جتنے شخص زخمی یا جاں بحق ہوئے وہ سب احمدی تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پاک فوج کا آج تک صرف ایک جنرل جاں بحق ہوا ہے یعنی میجر جنرل افتخار جنجوعہ جاں بحق یہ ایک مخلص احمدی تھے جو ۱۹۷۱ء کی جنگ میں جاں بحق ہوئے۔ پاک فوج کا صرف ایک جرنیل آج تک میدان جنگ میں زخمی ہوا ہے وہ ہیں میجر جنرل ناصر احمد یہ ۱۹۴۸ء کی جنگ کشمیر میں زخمی ہوئے اور آج تک لنگڑا کر چلتے ہیں۔ یہ جانباز بھی نہایت مخلص احمدی ہیں۔

پاکستان کو بچانے کے لئے احمدی فوج میں شامل ہو جائیں۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے رتن باغ لاہور میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو احمدیوں کو فوجی فنون سیکھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:۔

"آج ہر احمدی سمجھ لے کہ اب احمدیت پر ایک نیا دَور آیا ہے اور اب اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک نیا عہد کرنا پڑیگا میرے نزدیک آج سے ہر مخلص احمدی کا خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں رہتا ہے یہ فرض ہے کہ وہ فوجی فنون سیکھے اور اگر عارضی طور پر فوجی ملازمت اختیار کر سکتا ہے تو عارضی طور پر اور اگر مستقل طور پر فوجی ملازمت اختیار کر سکتا ہو تو مستقل طور پر فوجی ملازمت اختیار کرے۔ کیا پتہ کس وقت پاکستان پر حملہ ہو جائے اس وقت ہمارا پہلا فرض ہوگا کہ ہم پاکستان کی پوری پوری مدد کریں۔ ......

جو پاکستان میں رہنے والے ہوں گے ان کا فرض ہوگا کہ وہ پاکستان کی حفاظت کریں اور اس ملک کو دشمن کے حملوں سے پوری طرح محفوظ رکھیں تا کہ اس ملک سے اسلام کا نشان مٹ نہ جائے اور ایک ہزار سال کے بعد اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بڑی بھاری شرم کی بات ہوگی۔ بڑی ذلت کی بات ہوگی۔ بڑی رسوائی کی بات ہوگی۔ آج محمد رسول اللہ کی امانت ہمارے ہاتھ میں ہے اور اس امانت کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔"

(الفضل ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

حضرت امام جماعت احمدیہ کے اس ولولہ انگیز

بیان نے احمدیوں کی حب الوطنی کو مزید بڑھا دیا اور نوجوانان احمدیت ہر حال میں ملک کے دفاع کے لئے مستعد ہو گئے۔ ماؤں نے اپنے بیٹے فوج میں بھرتی کروائے۔ بیوگان نے اپنی اکلوتی اولاد کو فوج میں بھیج دیا۔ ان واقعات کا ذکر حضور نے اپنے خطبات میں کیا ہے۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد دو احمدیوں کی جانی قربانی

قیام پاکستان کے فوراً بعد ہندوستان نے ریاست جموں کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے حملہ کر دیا۔ اس نازک موقعہ پر حکومتِ پاکستان کے بعض افسروں نے حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد سے جموں کے محاذ پر ایک پلاٹون بھجوانے کی خواہش کی۔ چنانچہ حضور نے اپنے بیٹے محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی کمان میں چالیس پچاس نوجوان معراجکے کے سرحدی گاؤں میں بھجوائے۔ اس جگہ پر ہندوستان کے شدید زمینی اور فضائی حملوں میں دو احمدی نوجوانوں نے پاکستان کا دفاع کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ ان کے اسماء گرامی برکت علی آف داتہ زید کا اور اللہ رکھا جسو کے ضلع گجرات تھے۔ (تاریخ احمدیت جلد ششم ص ۶۶۶) اور اس طرح سے قیام پاکستان کے ساتھ ہی احمدیوں کی طرف سے پاکستان کو بچانے کے لئے اپنی جانیں پیش کرنے اور جام شہادت نوش کرنے کے ایک زریں دور کا آغاز ہو گیا۔

فرقان بٹالین کا قیام

کچھ عرصہ کے بعد حکومتِ پاکستان نے ایک رضا کار بٹالین کے قیام کی خواہش کا اظہار کیا۔ جس پر حضور نے احمدی نوجوانوں کو ملک کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے پکارا۔ ملک کے چاروں طرف سے احمدی نوجوان اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دیوانہ وار رتن باغ لاہور پہنچنا شروع ہو گئے۔ جون ۱۹۴۸ء کو فرقان بٹالین معرض وجود میں آگئی۔ اس سلسلہ میں دفتر قیام امن کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ جس کے صدر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تھے جو بعد میں جماعت احمدیہ کے تیسرے امام بنے۔ اور سرائے عالمگیر کے قریب بٹالین کا کیمپ قائم کیا گیا۔ ایک ماہ کی ٹریننگ کے بعد ۱۰ جولائی ۱۹۴۸ء کو یہ بٹالین محاذِ جنگ باغ (بربط) کی طرف روانہ ہو گئی۔ امام جماعت احمدیہ نے اپنے دونوں بڑے بیٹے دفاع پاکستان کے لئے اس بٹالین میں بھجوائے۔ اس بٹالین نے راستے کی مشکلات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنا مشن پورا کیا اور پاکستان کی سرحد پر دشمن کو روک لیا۔ ہندوستانی فوج نے حملوں میں اضافہ کر دیا اور بمباری شروع کر دی۔ مگر ہندوستانی فوج باوجود طاقت کے اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس نہ لے سکی اور فرقان فورس کے جوانوں نے سعد آباد وادی میں ہندوستانی فوجیوں کو بند کر دیا اور اس طرح ۵ میل لمبی اور دو میل چوڑی وادی پر قبضہ کر کے پاکستانی علاقہ میں شامل کر دی۔ خطِ متارکہ جنگ کی نشاندہی

سے قبل بھی فرقان بٹالین نے فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے ۱۵۰ گز آگے بڑھ کر چوکی قائم کرلی۔ آخر فرقان بٹالین کی چوکی کو پاکستان میں شامل کرکے خطِ متارکہ کی نشاندہی کی گئی۔

فرقان فورس کے جوانوں کو کمانڈر انچیف افواجِ پاکستان کا خراجِ تحسین۔

جنگِ کشمیر ختم ہونے کے بعد حکومتِ پاکستان نے معاہدے کے تحت تمام رضاکاروں کو آزاد کشمیر کے محاذ سے واپس بلا لیا تو ۱۵ر جون ۱۹۵۰ء کو فرقان بٹالین کی سبکدوشی کے احکام جاری کیے گئے۔ اس موقعہ پر کمانڈر انچیف افواج پاکستان نے بٹالین کی خدمات کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے درج ذیل سرٹیفکیٹ عطا فرمایا:۔

"آپ کی بٹالین خاص بٹالین تھی جس میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ ان میں کسان بھی تھے اور مزدور پیشہ بھی۔ کاروباری لوگ بھی تھے اور نوجوان طلباء و اساتذہ بھی۔ وہ سب کے سب خدمتِ پاکستان کے جذبہ میں سرشار تھے۔ آپ نے اس قربانی کے بدلے میں جس کے لیے آپ میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو بخوشی پیش کیا کسی قسم کے معاوضہ اور شہرت و نمود کی توقع نہ کی۔

آپ جس جوش اور ولولے کے ساتھ آئے اور اپنے فرائضِ منصبی کی بجاآوری کے لیے تربیت حاصل کرنے میں جس ہمہ گیر اشتیاق کا اظہار کیا اس سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ ان تمام مشکل مراحل پر جو نئی بلٹن کو پیش آتے ہیں آپ کے افسروں نے بہت جلد عبور حاصل کرلیا۔

کشمیر میں محاذ کا ایک حصّہ آپ کے سپرد کیا گیا اور آپ نے اُن تمام توقعات کو پورا کر دکھایا جو اس ضمن میں آپ سے کی گئی تھیں، دشمن نے ہوا پر سے اور زمین پر سے آپ پر شدید حملے کیے لیکن آپ نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے اس کا مقابلہ کیا اور ایک اِنچ زمین بھی اپنے قبضہ سے نہ جانے دی۔ آپ کے انفرادی اور مجموعی اخلاق کا معیار بہت بلند تھا اور تنظیم کا جذبہ بھی انتہائی قابلِ تعریف۔

اب جبکہ آپ کا مشن مکمل ہو چکا ہے اور آپ کی بٹالین تخفیف میں لائی جا رہی ہے میں اس قابلِ قدر خدمت کی بناء پر جو آپ نے اپنے وطن کی انجام دی ہے آپ میں سے ہر ایک کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدا حافظ۔"

(تاریخ احمدیت جلد ششم ص ۶۷۳)

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ افواج پاکستان کے افسروں نے فرقان بٹالین کا مختلف اوقات میں معائنہ بھی فرمایا اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کے جذبۂ قربانی سے متاثر ہوئے۔

سابق صدرِ پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان (جو اُس وقت افواجِ پاکستان کے ایڈجوٹینٹ جنرل

تھے) نے بھی اس بٹالین کا معائنہ کیا اور حکومت پاکستان نے فرقان بٹالین کے ان نوجوانوں کو جنہوں نے کم از کم ۴۵ روز تک خدمات سرانجام دی تھیں، اعزازات دیئے۔ چنانچہ ایسے ۹۱۷ مجاہدینِ فرقان بٹالین کو اُن کی خدمات کے اعتراف میں تمغاتِ دفاع دیئے گئے۔

حضرت مصلح موعود بہ نفسِ نفیس محاذِ جنگ پر تشریف لے جا کر فرقان بٹالین کے مجاہدوں کے حوصلے بڑھاتے رہے۔ حضور کے سارے بیٹے جو پاکستان میں تھے فوج میں شامل ہوئے۔

فرقان بٹالین کے کارناموں پر غیروں کا خراجِ تحسین۔

فرقان بٹالین کے کارناموں پر غیر از جماعت حلقوں نے بھی خراجِ تحسین ادا کیا۔ چنانچہ حکیم احمد دین صاحب صدر "جماعت المشائخ" سیالکوٹ نے فرقان بٹالین مجاہدین کے متعلق لکھا:-

"اس وقت تمام مسلم جماعتوں میں سے احمدیوں کی قادیانی جماعت نمبر اول پر جا رہی ہے۔ وہ قدیم سے منظم ہے۔ نماز روزہ وغیرہ امور کی پابند ہے۔ یہاں کے علاوہ ممالکِ غیر میں بھی اس کے مبلغ احمدیت کو پھیلانے میں کامیاب ہیں۔

قیامِ پاکستان میں مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے لیے اس کا ہاتھ بہت کام کرتا تھا۔ جہادِ کشمیر میں مجاہدینِ آزاد کشمیر کے دوش بدوش جس قدر احمدی جماعت نے خلوص اور دردِ دل سے حصّہ لیا اور قربانیاں کی ہیں ہمارے خیال میں مسلمانوں کی کسی دوسری جماعت نے ابھی تک ایسی جرأت اور پیش قدمی نہیں کی۔ ہم ان تمام امور میں احمدی بزرگوں کے مدّاح اور مشکور ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ملک اور مذہب کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے۔"

(رسالہ قائدِ اعظم ماہ جنوری ۱۹۴۹ء)

اسی طرح گلزار احمد صاحب فدا ایڈیٹر اخبار "جہاد" سیالکوٹ نے لکھا:-

"فرقان بٹالین نے مجاہدین کشمیر کے شانہ بشانہ ڈوگرہ فوجوں سے جنگ کی اور اسلامیانِ کشمیر کے اختیار کردہ موقف کو مضبوط بنایا۔"

(اخبار "جہاد" سیالکوٹ ۱۶ جون ۱۹۵۰ء)

ایک تاریخ ساز پاکستانی جرنیل

جنرل اختر حسین ملک

احمدی فوجی افسروں میں جن افسران نے قربانی اور جنگی مہارت اور قوم کی خدمت کی ایک تاریخ رقم کی ہے ان میں لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ایک بہت نمایاں اور مشہور شخصیت تھے۔ انکے حیران کن جنگی کارنامے آج بھی افسانوی شہرت کے مالک ہیں ـــــ جنرل اختر حسین ملک ضلع اٹک کے ایک

ممتاز سر برآوردہ فوجی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج اٹک سے تعلیم حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کی۔ ۱۹۴۰ء میں انڈین ملٹری اکیڈیمی ڈیرہ دون میں زیر تربیت رہے۔ وہاں سے کمیشن حاصل کر کے نکلے۔ دوسری عالمگیر جنگ کے دوران انہوں نے برما کے محاذ پر جنگی خدمات انجام دیں۔ جنگ کے بعد آپ کو ہندوستانی افواج کے جی۔ ایچ۔ کیو میں متعیّن کیا گیا جہاں دو ہندوستانی افسروں میجر اختر ملک اور لیفٹیننٹ کرنل مانک شاہ کے علاوہ دیگر تمام عملہ اور افسر انگریز تھے۔ آزادی تک آپ جی۔ ایچ۔ کیو میں ہی متعین رہے۔ پاکستان بننے کے بعد انہیں لیفٹیننٹ کرنل کے رینک پر ترقی ملی اور ایک انفنٹری بٹالین کی کمان سونپی گئی۔

۱۹۵۶ء میں آپ بریگیڈیر بنے۔ اس وقت آپ سٹاف کالج کوئٹہ میں ڈپٹی کمانڈنٹ کے عہدے پر مامور تھے۔ بعد میں آپ انفنٹری سکول کوئٹہ کے کمانڈنٹ بنا دیئے گئے۔ ۱۹۵۹ء میں آپ نے انفنٹری بریگیڈ کی کمانڈ سنبھالی اور پھر ڈائریکٹر آف انفنٹری جنرل ہیڈ کوارٹر بھی رہے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں جنرل اختر ملک نے کشمیر کے محاذ پر جو شاندار کارنامے سر انجام دیئے وہ حیران کن حد تک افسانوی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ انہوں نے آپریشن جبرالٹر اور آپریشن گرینڈ سلام کے دو منصوبے بنائے۔

پاک و ہند کی جنگی تاریخ میں آپریشن جبرالٹر زبردست جنگی مہارت، غیر معمولی جرأت و بہادری اور حیران کن کامیابی حاصل کرنے کے اعتبار سے ایک کلاسیکی اہمیت اختیار کر جانے والا کارنامہ ہے جب تک جنگوں کی تاریخ پڑھائی جاتی رہے گی آپریشن جبرالٹر اور جنرل اختر ملک کی زبردست ذہانت و فطانت، ملک و قوم سے غیر معمولی اور مثالی محبت کی افسانوی داستانیں زندہ رہیں گی۔

اس منصوبے کا پس منظر یہ ہے کہ "جنرل اختر ملک نے ۱۹۶۳ء میں بارھویں مری ڈویژن کی کمانڈ سنبھالی وہ کھلم کھلا کہتے تھے کہ میں اُن جرنیلوں میں سے نہیں جو ۲، ۳ سال کے لیئے بطور ڈویژن کمانڈر مری کی خوشگوار پہاڑیوں میں آرام سے وقت گزار گئے بلکہ میں مسئلۂ کشمیر کو یو این او کے کولڈ سٹوریج سے نکال کر رہوں گا۔" (جنگ لاہور ۶ ستمبر ۱۹۸۶ء صـ۳)

چنانچہ پہلے مرحلہ کے طور پر انہوں نے بھارت کے قبضے سے ان علاقوں کو آزاد کرایا جو کشمیر کی جنگ بندی لائن کے پاس بھارت نے زبردستی قبضے میں کر لیئے تھے۔ اس کے بعد بھارت پر دباؤ ڈالنا شروع کیا اور ۱۹۶۴ء میں کشمیر میں پاکستان اور بھارت کے درمیان غیر اعلان شدہ جنگ جاری رہی۔

اس کے بعد جنرل مرحوم نے آپریشن جبرالٹر اور گرینڈ سلام کا منصوبہ بنایا۔ میجر جنرل ریٹائرڈ سرفراز خان "ہلالِ جرأت" کہتے ہیں:-

"جنگ ستمبر کی داستان میں آپریشن جبرالٹر (کشمیر پر حملہ) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔"

(روزنامہ جنگ لاہور ۶ ستمبر ۱۹۸۴ء)

آپریشن جبرالٹر کے بارے میں جنرل اختر ملک کا خیال تھا کہ:-

"یہ ایک باقاعدہ گوریلا جنگ نہ تھی بلکہ ایسا

سمجھئے جیسے دشمن کے علاقہ میں پیراٹروپ یا
کمانڈوز اُتارے جائیں جن کو محدود ٹاسک
دیا جائے تاکہ دشمن کی (فوج) کو نقصان پہنچے،
پبلک میں خوف و ہراس پیدا ہو، فوج کے
بھاگ دوڑ وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس کارروائی کی
کامیابی کا دارومدار اپنی فوج کی زمینی کارروائی
پر منحصر تھا...... یعنی ہمارے "جبرالٹر آپریشن"
کی کامیابی کا انحصار "اکھنور" پر حملہ اور
قبضہ کرنے پر تھا۔ جنرل ملک (مرحوم) نے
بھی اسی پلاننگ کے تحت جبرالٹر آپریشن تیار
کیا تھا وہ دماغی اور عملی طور پر اس آخری
مرحلے کے لیئے تیار تھے۔ مگر اس آخری مرحلے
کا کیا حشر ہوُا اب قوم کو معلوم ہو چکا ہے۔"

(روزنامہ جنگ لاہور ۶ ستمبر ۱۹۸۶ء)

اور وہ حشر یہ ہوُا کہ عین اُس وقت جبکہ جنرل اختر ملک
چھمب جوڑیاں فتح کر چکے تھے اُن کو وہاں سے تبدیل
کر دیا گیا اور نئے جنرل یحییٰ خان نے چارج لینے میں دو
دن ضائع کئے اور اکھنور کی فتح جو دروازے پر دستک
دے رہی تھی واپس چلی گئی۔

چھمب کے محاذ پر دشمن بلندی پر تھا۔ اُن کے مورچے
غیر معمولی طور پر مضبوط تھے وہاں ایک طاقتور فوج بھی
متعیّن تھی لیکن جنرل اختر ملک کی کمانڈ میں پاکستانی فوجوں
نے ساری قلعہ بندیوں کو خس و خاشاک کی طرح اُڑا کر رکھ
دیا۔ عالمی جنگی ماہر حیران تھے کہ یہ فتح تو ناممکنات میں
شمار ہوتی تھی یہ کس طرح ممکن ہو گئی۔ جنرل اختر ملک
کو اس بہادری کے اعتراف میں بہادری کے دوسرے
اعلیٰ ترین اعزاز ہلالِ جراُت سے نوازا گیا۔ دنیا بھر کے
صحافیوں اور جنگی ماہروں نے اُنہیں دل کھول کر خراجِ
تحسین پیش کیا۔ بلاشبہ یہ عسکری تاریخ کا ایک نادر باب
ہے۔ چند آراء ملاحظہ ہوں۔

جنرل سرفراز کا اعتراف

میجر جنرل (ریٹائرڈ) سرفراز احمد خان ہلالِ جراُت
ملٹری کراس، جو ۱۹۶۵ء کی جنگ میں لاہور محاذ کے کمانڈنگ
آفیسر تھے، جنرل اختر ملک کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:۔

"جس ہنر مندی سے اختر ملک نے چھمب
پر اٹیک کیا اسے شاندار فتح کے علاوہ کوئی
دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ وہ اس پوزیشن
میں تھے کہ آگے بڑھ کر جوڑیاں پر قبضہ کر لیں۔
کیونکہ چھمب کے بعد دشمن کے قدم اُکھڑ چکے
تھے اور وہ جوڑیاں خالی کرنے کے لئے فقط
پاکستانی فوج کے آگے بڑھنے کے انتظار
میں تھے مگر ایسا نہیں ہونے دیا گیا۔ کیونکہ
پکی پکائی پر یحییٰ خان کو بٹھانے اور کامیابی
کا سہرا یحییٰ خان کے سر باندھنے کا پلان بن
چکا تھا۔ لیکن نقصان کس کا ہوُا۔ بھارت
کو مکمل شکست دینے کا موقع ہاتھ سے
نکل گیا۔ کمانڈ کی تبدیلی میں دو دن ضائع
ہو گئے۔" (روزنامہ جنگ ۶ ستمبر ۱۹۸۶ء صـ۳
مضمون بعنوان جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء ۔ چند
سربستہ حقائق)

بریگیڈیر امجد چوہدری صاحب

ایک اور اعلیٰ سابق فوجی آفیسر اور جنگی امور کے

ماہر لکھنے والے بریگیڈیر ریٹائرڈ امجد چوہدری لکھتے ہیں :-

"اپریشن جبرالٹر ایک جرأت مندانہ اقدام تھا جس نے کئی گنا بڑی طاقت کے تارو پود کو بکھیر کر رکھ دیا اور اس کی لاتعداد فوج میں کھلبلی مچادی ۔ یہ کارروائی وسیع علاقے میں کی گئی ۔ ہمارے کئی جانباز سرینگر اور اس سے بھی آگے پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ۔

....

دو بھارتی بریگیڈ گروپ ایک چھمب میں ایک جوڑیاں میں ہمارے حملہ کا جواب تو کیا دیتے اپنا تمام اسلحہ، ساز و سامان اور ٹینک چھوڑ کر دُم دبا کر بھاگ گئے ۔ چھمب سے پسپا ہونے والی بھارتی فوج کے تعاقب میں اگر ہم تاخیر سے کام نہ لیتے جو غیر متوقع طور پر اچانک لڑائی کے عین درمیان کمانڈر کے بدلنے کی وجہ سے ہوئی جبکہ اکھنور ہماری گولہ باری کی زد کے فاصلے پر رہ گیا تھا تو ہماری افواج کے لئے شدید مشکلات اور مصائب کا باعث ہوتا اور کشمیر پر قبضہ جاری نہ رکھ سکتے ...... اکھنور پر قبضہ کر لیا جاتا تو جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا ۔ ہمیں پتہ تھا کہ بھارت حملہ کر دے گا مگر اکھنور پر ہمارا قبضہ ہونے سے بھارتی افواج کی کمر ٹوٹ جاتی ۔ اور وہ اتنی شدت سے سیالکوٹ پر حملہ آور نہ ہو سکتی ۔ جبکہ سامنے کی سرحد پر بھارتی حملے کو روکنے کے انتظامات کر لئے گئے تھے ۔"

(ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ از بریگیڈیر ریٹائرڈ امجد علی چودھری ۔ جنگ لاہور ۶ ستمبر "دفاع پاکستان نمبر ۱۹۸۴ء)

وہ سُپر انٹیلی جنٹ اور جینیئس تھے

میجر ریٹائرڈ راجہ نادر پرویز سابق وزیر دفاع اور ممبر سابق قومی اسمبلی جو خود رن آف کچھ کی جنگ میں شریک ہوئے اور جنہوں نے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھی حصہ لیا اپنے تفصیلی انٹرویو میں جنرل اختر ملک کے بارے میں بیان کرتے ہیں :-

"میجر جنرل اختر حسین ملک کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سپر انٹیلی جنٹ اور جینیئس تھے ۔ وہ ترکی میں رہے ہیں جہاں امریکی اور غیر ملکی جنرل بھی تھے ۔ جنرل اختر ملک نے وہاں اپنا سکہ منوایا ۔ وہ لوگ اس بات کے قائل ہوگئے کہ ہاں پاکستانی فوج میں کوئی جرنیل ہے ۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کی انہوں نے پلاننگ کی تھی ۔ اگر ہم اس پلاننگ کے تحت چلتے تو اکھنور قبضے میں آجاتا ۔ اگر اکھنور قبضے میں آجاتا تو سیالکوٹ محفوظ ہو جاتا کیونکہ اکھنور انڈین لائن آف کمیونی کیشن تھی ۔"

(المیہ مشرقی پاکستان کے پانچ کردار صفحہ ۲۰)

میجر شیخ غلام نصیر صاحب کا بیان

ایک اور جنگی ماہر کی رائے ملاحظہ ہو ۔ میجر شیخ غلام نصیر لکھتے ہیں :-

"پاکستانی افواج کے پہلے حملے ہی سے بھارتی افواج بدحواس ہوگئیں اور اپنے

کنکریٹ مورچے چھوڑنے پر مجبور ہو گئیں۔ بھارتی فوجی اپنی توپیں چھوڑ گئے۔ توپوں کے اندر سے گولے بھی نہ نکال سکے۔ بھارتی بکتر بند فوج نے ٹینکوں کو چلتا چھوڑ دیا۔ غرض تمام افواج میں پسپائی کا عالم تھا۔ اور پاکستانی افواج ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اور اکھنور چند میل کے فاصلے پر تھا جس پر قبضے کا بندوبست پہلے سے ہو چکا تھا۔ مگر افسوس ہمیں اس وقت کمانڈر کی تبدیلی کا حکم پہنچ گیا۔ جنرل اختر ملک کی جگہ جنرل یحییٰ خان تشریف لائے۔"

(۱۹۶۵ء کی جنگ۔ چند حقیقتیں چند یادیں ــــ روزنامہ جنگ ۳۰ اگست ۱۹۸۴ء صفحہ ۳ میجر شیخ غلام نصیر)

پروفیسر خان زمان مرزا صاحب کی تحریر

ایک معروف دانشور اور قلمکار پروفیسر خان زمان مرزا رقم فرماتے ہیں :-

"جب پاک اور آزاد افواج جنرل اختر حسین ملک کی کمان میں فتح چھمب کے بعد جوڑیاں کی طرف پیش قدمی کر رہی تھیں تو جنرل ملک کو منظر سے ہٹا دیا گیا۔ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اِس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ دورانِ جنگ کمان تبدیل کرنے سے فوج کے مورال پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ فتح چھمب کے بعد بھارتی افواج افراتفری کا شکار ہو گئیں اور اُن کے حوصلے پست ہو چکے تھے اور غیر مسلم آبادی ہزاروں کی تعداد میں جموں کی طرف بھاگنے کے لئے بڑی شاہراہوں پر اکٹھی ہو چکی تھی۔ جنرل اختر حسین ملک کی بجائے کمان جنرل یحییٰ خان کے حوالے کی گئی۔ انہوں نے دو قیمتی دن عیش و عشرت میں ضائع کر دیئے جس کے دوران بھارتی افواج کو دفاعی پوزیشن مضبوط کرنے کا موقع مل گیا۔ حالانکہ چھمب کے بعد جموں کو جانے والی سڑک کا کوئی دفاع نہ تھا۔ اِس ضمن میں یہ بتانا بھی بے جا نہ ہو گا کہ قصبہ اکھنور جس پر قبضہ کرنے کے لئے چھمب جوڑیاں میں کارروائی کی گئی تھی۔ دشمن کی پسپائی کے دوران کئی دنوں تک بغیر دفاع کے خالی پڑا رہا جس پر بھارتی فوج کے کمانڈروں نے حیرانی کا اظہار کیا تھا۔ اِس بات کے شواہد ایک بھارتی فوجی کمانڈر کی ڈائری کے ذریعے منظرِ عام پر آئے تھے۔ کشمیر کے محاذ پر جنرل اختر حسین ملک کی جگہ جنرل یحییٰ خان کو کمان تفویض کرنے کے مضمرات کے بارے میں جسٹس یوسف صراف رقم طراز ہیں کہ چھمب میں حاصل ہونے والی عظیم الشان کامیابی صدر اور اُن کے کمانڈر انچیف کے حسد کا شکار ہو کر ختم ہو گئی۔"

(آپریشن جبرالٹر۔ از پروفیسر خان زمان مرزا ــ روزنامہ جنگ لاہور ۱۲ اپریل ۱۹۸۳ء صفحہ ۳)

جذبہ جہاد اور شہادت سے سرشار جنرل

میجر ریٹائرڈ معین باری سابق ممبر قومی اسمبلی ہیں، فوجی امور کے ماہر ہیں اور دفاعی امور کے بارے میں اکثر مضامین لکھتے اور مذاکروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔ جب بعض لوگوں نے جنرل اختر ملک کے بارے میں بعض غلط باتیں کہنی شروع کیں تو معین باری صاحب نے ان لوگوں کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے لکھا:۔

”جنرل اختر ملک کو فوت ہوئے اگرچہ کئی سال گزر چکے ہیں لیکن فوج کے اندر آج بھی ان کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ وہ بڑے بہادر اور جنگجو قسم کے کمانڈر تھے۔ وہ ایسے جرنیلوں میں سے تھے جو جذبۂ جہاد اور شہادت سے سرشار ہوتے ہیں۔ جو طاقتور دشمن کے سامنے بھی بڑے بڑے خطرات مول لیتے ہیں۔“

(روزنامہ جنگ لاہور۔ ۷/اگست ۱۹۸۵ء)

مخلص محب وطن شخصیت

لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) غلام دستگیر نے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں چھمب محاذ پر خدمات سرانجام دیں اور ان کو جنرل اختر ملک کے ساتھ تقریباً چار سال تک کام کرنے کا موقع ملا۔ اختر ملک نے جنگ ستمبر سے قبل دو مہمات پر لیفٹیننٹ کرنل غلام دستگیر کو بھجوایا تھا۔ وہ جنرل اختر ملک کی منصوبہ بندی، جرأت، دلیری اور ذہانت کے عینی شاہد ہیں۔ آپ اپنے ایک مضمون میں جنرل اختر ملک کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

”جہاں تک جنرل اختر حسین ملک مرحوم کا تعلق ہے وہ ایک نہایت مخلص محب الوطن قابل اور حقیقت پسند شخصیت تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ جونیئر افسروں میں زیادہ ہر دلعزیز تھے۔ مگر ان کے سینیئر آفیسران کی قابلیت کی وجہ سے ہمیشہ حسد کرتے تھے۔ وہ ہر مسئلے کو عملی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے تھے۔“

(روزنامہ جنگ ۱۰/ستمبر ۱۹۸۶ء)

اسی حسد کی بناء پر انہیں فوج اور ملک سے باہر نکالنے کے لیئے ادارہ میثاق وسطی (سینٹو) کے ہیڈ کوارٹر انقرہ میں پاکستان کا نمائندہ بنا کر بھیج دیا گیا پاکستان کا یہ نامور جنرل فن حرب کی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل کرنے والا جنرل اختر حسین ملک ۲۲/اگست ۱۹۶۹ء کو انقرہ میں کار کے حادثہ میں وفات پا گیا۔

تین گنا دشمن کو شکست دی

پاکستان کے معروف اخبار روزنامہ ”مشرق“ لاہور نے جنرل اختر ملک کی وفات پر اداریہ تحریر کیا۔ جس کا عنوان تھا ”مادر وطن کا عظیم سپوت“۔

”جنرل اختر حسین ملک کی وفات پر پورے ملک پر گہرے رنج و الم کا اظہار کیا جائے گا۔ موت کے ظالم ہاتھوں نے مادر وطن کا ایک عظیم سپوت چھین لیا ہے۔ لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک نے محاذ پر جو قابل تحسین کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ ملت کی تاریخ شجاعت اور سرفروشی کا ایک درخشندہ باب ہے۔ ان کی کمان میں پاکستان

احمدیہ صد سالہ جشنِ تشکر

کے بابرکت موقع پر

ہم اپنے پیارے امام اور جملہ احباب جماعتِ احمدیہ کی خدمت میں

مبارکباد پیش کرتے ہیں!

طالبِ دعا

مجلس خدام الاحمدیہ ضلع جھنگ

پیارے آقا اور جملہ احباب جماعتِ احمدیہ

کی خدمت میں

احمدیہ صد سالہ جشنِ تشکر

پر

پُرخلوص مبارکباد

طالبِ دعا

مجلس خدام الاحمدیہ مغل پورہ لاہور

کے شیر دل فوجیوں نے اپنے سے تین گنا زیادہ
طاقتور دشمن کو شرمناک شکست دی اور اس
کا تمام غرور خاک میں ملا دیا۔ بھارت کا یہ
منصوبہ دیوانے کا خواب بن کر رہ گیا....

لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک آج
ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن انہوں نے
سرزمینِ وطن کی حفاظت کے لیئے جو عظیم الشان
کارنامہ انجام دیا ہے وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔
وہ ان عالی مرتبت مجاہدوں میں ہیں جن پر
قوم کو فخر ہے اور جن کے کارناموں کو کبھی
فراموش نہیں کیا جا سکتا۔"

(روزنامہ مشرق لاہور ۲۳ر اگست ۱۹۶۹ء)

'اخبار خواتین' کراچی نے جنرل اختر ملک کی ستمبر ۱۹۶۵ء
کی جنگ میں بہادری اور ذہانت سے پاکستانی افواج
کی کمان کرنے پر آپ کی وفات پر ان الفاظ میں آپ کو
خراج تحسین پیش کیا:۔

"یہ اگست کا مہینہ اور ۱۹۶۵ء کا سال
ہے۔ ٹیٹوال سیکٹر میں ہندوستانی فوج کی
سنگین خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری ہے
دشمن کی فوجیں درہ حاجی پیر کی طرف پیشقدمی
کر رہی ہیں۔ پاکستانی فوجوں نے اپنی مدافعت
کے لیئے جوابی کارروائی کا ارادہ کیا ہے کہ
اب اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہی وقت
تھا جب پاکستانی فوج کی کمان میجر جنرل
اختر حسین ملک کے سپرد ہوئی۔ چھمب کے
اس معرکہ میں ہندوستانی بریگیڈ کو ذلت
آمیز شکست ہوئی اور اس کا خاصا جانی و
مالی نقصان ہوا۔ جوڑیاں اور چھمب کی یہ
شکست ہندوستان پر قیامت بن کر ٹوٹی۔
یہاں ہندوستانی فوج مسلسل کمک کے باوجود
جنگی برتری حاصل نہ کر سکی اور بالآخر اسے
پسپا ہونا پڑا۔"

(اخبار خواتین صفحہ ۲۴۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۶۹ء)

وہ اہل پاکستان کے ذہنوں پر چھا گئے

جنرل اختر ملک کی جرأت اور شجاعت کا ذکر کرتے
ہوئے پاکستان کے مشہور دانشور اور شاعر و ادیب
احمد ندیم قاسمی نے لکھا:۔

"لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک و
قوم کے ایک ایسے ہیرو تھے جن کا نام پاکستانی
بچوں کو بھی یاد ہے۔ جب ان کی سرکردگی
اور نگرانی میں پاکستانی افواج چھمب اور
جوڑیاں کے آہنی مورچوں کو مسمار کرتی ہوئی
جموں کی طرف بڑھ رہی تھیں تو جنرل اختر حسین
ملک پاکستانیوں کی بہادری، استقامت
اور اولوالعزمی کی ایک مجسّم تصویر بن کر
ابھرے اور اہلِ پاکستان کے ذہنوں پر چھا
گئے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۹ر ستمبر ۱۹۶۹ء صفحہ ۴)

مجلسِ علماءِ پاکستان کا خراجِ تحسین

مجلسِ علماءِ پاکستان کے داعی الحاج مولانا عرفان
رشدی نے "معرکۂ حق و باطل ۶ر ستمبر ۱۹۶۵ء و غزوۃ الہند"
کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں میجر جنرل اختر

کے عنوان سے لکھا ہے :-

جوش و قوت کا تھا ایک سیلِ رواں اختر ملک
چھمب کا فاتح وطن کا پاسباں اختر ملک
بھارتی یلغار سے وہ برسرِ پیکار تھا
عزم و استقلال کا گویا وہ اک شہکار تھا
برسرِ میداں رہی زیرِ کماں تیری سپاہ
ہر قدم ہے اس کی پامردی شجاعت کا گواہ

شورش کاشمیری کا خراجِ تحسین

ہفت روزہ چٹان کے ایڈیٹر اور مشہور صحافی و شاعر آغا شورش کاشمیری نے اختر ملک کو خراجِ تحسین نظموں کی صورت میں پیش کیا۔ ایک نظم کے دو شعر درج ذیل ہیں :-

واہگہ کی سرزمیں پہ حریفوں کی ٹولیاں
اختر ملک کی زیرِ قیادت پچھاڑ دو !
دہلی کی سرزمیں نے پکارا ہے ساتھیو
اختر ملک کا ہاتھ بٹاتے ہوئے چلو !

اِن اشعار کی یہ اہمیت کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں کہ جناب شورش کاشمیری جماعت احمدیہ کے شدید معاند تھے اور احمدیت سے منسلک کسی بھی فرد کی تعریف کرنے میں حد درجہ کنجوس تھے۔

جنرل عبدالعلی ملک کی تاریخ ساز کامیابی

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کی دوسری بڑی لڑائی دفاعی نوعیت کی تھی جس میں ہندوستانی ٹینکوں کی خطرناک یلغار کو بریگیڈیئر عبدالعلی ملک نے ایک معمولی فورس کے ساتھ چونڈہ میں اِس شان، اِس استقامت اور اِس جرأت سے روکا کہ آج تک بڑے بڑے فوجی جرنیل عبدالعلی ملک کی اِس جرأتِ رندانہ پر حیران ہیں۔

بریگیڈیئر ملک کو اُن کے ڈویژنل کمانڈر نے تو یہ حکم دیا تھا کہ چونکہ یہ حملہ اتنا بڑا ہے کہ اِس معمولی فوج کے ساتھ تم اِس حملہ کو نہیں روک سکو گے اس لیئے پیچھے آجاؤ۔ مگر اس بہادر احمدی عبدالعلی ملک نے کہا :-

"اگر مَیں نے ایسا کیا تو سیالکوٹ کے اہم ترین ضلع پر دشمن کا قبضہ ہو جائیگا اس لیئے مجھے اجازت دی جائے مَیں دشمن کی اِس یلغار سے چونڈہ میں ہی نمٹنے کی کوشش کروں۔ جو فوج تیس میل کے محاذ پر قابو نہیں پاسکتی وہ ستّر میل لمبے محاذ پر کس طرح لڑ سکے گی۔"

وطن کے اِس مایۂ ناز سپوت نے چونڈہ میں ہی دشمن پر اس جرأت اور مردانہ وار بہادری سے حملے کیئے کہ بھارت کی "مایۂ ناز افواج" اور جنرل چودھری کی "مایۂ ناز "فخر ہند" نامی ٹینکوں کی ڈویژن جس کے ٹینکوں کا نام ہی BLACK ELEPHENT رکھا گیا تھا اس کے دانت کھٹے کر دیئے اور اپنے سے کئی گنا تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود بھارتی افواج چونڈہ میں ایک قدم آگے نہ بڑھ سکیں۔ اِس جرأت، بہادری، شجاعت اور جذبۂ حریت اور جیالے پن کے اعتراف کے طور پر بریگیڈیئر عبدالعلی ملک کو بہادری کا دوسرا اعلیٰ ترین اعزاز ہلالِ جرأت دیا گیا۔

چونڈہ کی جنگ کے ہیرو لیفٹیننٹ جنرل عبدالعلی ملک کے بے مثال اور عہد آفرین کارنامۂ شجاعت پر اپنے ہی نہیں بیگانے بھی عش عش کر اُٹھے اور ان کی

مجاہدانہ خدمات پر زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

تاریخ حرب کے ماہرین حیران رہ گئے

جنرل عبد العلی ملک کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے روزنامہ امروز لکھتا ہے:۔

"میجر جنرل عبد العلی ملک ...... نے چونڈہ کے محاذ پر ٹینکوں کی عظیم جنگ میں پاکستانی فوج کی کمان کی اور ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ تاریخ حرب کے ماہرین حیران و ششدر رہ گئے۔ اُس وقت موصوف بریگیڈیر تھے۔ انہیں بھی بڑے بھائی کی طرح ہلالِ جرأت کا اعزاز ملا"

(روزنامہ امروز لاہور ۲۳ اگست ۱۹۶۹ء)

حق کے پرستار نامی کتاب میں درج ہے:۔

"بریگیڈیر عبد العلی ملک کو ۷ اور ۸ ستمبر کی رات کو دشمن کے خلاف جوابی حملہ کرنے کا حکم ملا۔ وہ اپنی مختصر فوج کے ساتھ دشمن پر اس طرح جھپٹے کہ دشمن کی پیش قدمی کو روک کر شدید نقصان پہنچایا۔ اس کے ٹینکوں اور پیدل فوج کو تہس نہس کر دیا۔ دشمن تازہ کمک کے ساتھ تین دن تک آگے بڑھنے کے لیئے زور لگاتا رہا لیکن ہر بار اُسے اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔ بریگیڈیر عبد العلی ملک نے اس معرکے پر جس دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے اس پر انہیں ہلالِ جرأت کا اعزاز ملا"

(حق کے پرستار صفحہ ۳۴)

پُر عزم عبد العلی ملک

جنگ ستمبر پر لکھی جانے والی ایک کتاب "جنگ جاری ہے" میں تحریر کیا گیا:۔

"فورس کمانڈر بریگیڈیر عبد العلی ملک نے چونڈہ میں دشمن کی اسلحہ اور افرادی طاقت میں کہیں زیادہ فوج کو ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ دشمن نے چونڈہ پر قبضہ کرنے کے لیئے ہر طرح کے حربے استعمال کیئے۔ بے تحاشا گولہ باری اور بمباری کی اور ہر طرف سے یلغار کر کے قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ لیکن فرض شناس اور پُر عزم بریگیڈیر عبد العلی ملک کی قیادت میں پاکستانی جانبازوں نے دشمن کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔ دشمن نے مسلسل کئی روز تک اندھا دھند گولہ باری کی اور ہر طرف سے زور ڈالا جو کسی بھی فوج کی ہمت شکنی کے لیئے کافی تھا لیکن بریگیڈیر عبد العلی کی دلاوری، ہمت اور سوجھ بوجھ نے دشمن کی ایک نہ چلنے دی۔ جانبازوں نے اپنے افسر کی بے جگری دیکھی تو اور بھی سینہ سپر ہو گئے اور دشمن کو کاری ضربیں لگائیں۔ دشمن کو سخت نقصان اُٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ بریگیڈیر عبد العلی کو ان کی عظیم خدمات کے صلے میں ہلالِ جرأت کا اعزاز دیا گیا"

("جنگ جاری ہے" صفحہ ۲۸۶)

(جاری ہے ←)

جماعت احمدیہ کی دوسری صدی دینِ حق کے غلبہ کی صدی ہے

بشریٰ لکم

جماعتِ احمدیہ کی دوسری صدی کے آغاز پر

اپنے پیارے امام

اور

تمام احباب جماعت کی خدمت میں

مجلس خدام الاحمدیہ ضلع فیصل آباد

دلی مبارکباد پیش کرتی ہے

طالبِ دعا

مجلس خدام الاحمدیہ ضلع فیصل آباد

قادیانی بریگیڈیر نے سیالکوٹ دشمن کو دینے سے انکار کر دیا

"ستمبر ۱۹۶۵ء میں سیالکوٹ چونڈہ سیکٹر پر بھارت نے پورے آرمرڈ ڈویژن سے حملہ کیا تھا۔ اس حملے کو ایک قادیانی بریگیڈیر نے صرف ایک ٹینک رجمنٹ اور دو انفنٹری پلٹنوں سے روکا تھا۔ اس بریگیڈیر کو اس کے ڈویژن کمانڈر نے حکم دیا تھا کہ پیچھے آؤ سیالکوٹ خالی کرو۔ ہم بہت پیچھے ہٹ کر (سیالکوٹ دشمن کو دیکر) لوٹیں گے اس قادیانی بریگیڈیر نے اپنے ڈویژن کمانڈر کا یہ حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا اور حملہ روک لیا تھا۔ اس بریگیڈیر کا نام عبد العلی ملک ہے جو بعد میں میجر جنرل ہو گئے تھے۔ وہ جنرل اختر حسین ملک مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں"۔

(ماہنامہ حکایت نومبر ۱۹۸۴ء صفحہ ۱۱۴)

جنرل عبد العلی ملک کی بہادری، شجاعت اور بسالت پر ملک کے شاعروں نے اشعار میں خراج تحسین پیش کیا۔ ذیل میں ایک شاعر کے رزمیہ اشعار درج ہیں ۔

کر رہا تھا غازیوں کی جب کماں عبد العلی
تھا صفوں میں مثلِ طوفاں رواں عبد العلی
ہند کا وہ آتشیں طوفاں مقابل اسکے وہ عزم و ثبات
ٹینک یوں گرتے گئے دشمن کے جیسے خشک پات
جب ہوئی تاریخ کی سب سے بڑی ٹینکوں کی جنگ
فتح پائی غازیوں نے کس طرح دنیا ہے دنگ
یہ جگہ یہ دن یہ ساعت عالمی تاریخ میں
ثبت ہے اب درحقیقت عالمی تاریخ میں

("معرکۂ حق و باطل" صفحہ ۷۳)

چھمب کا نام افتخار آباد — کس کے نام پر رکھا گیا۔

میجر جنرل افتخار جنجوعہ ہلالِ جرأت کے کارنامے

میجر جنرل افتخار جنجوعہ کے نام سے کون واقف نہیں۔ جنرل افتخار پاکستانی افواج کے اُن افسروں اور جانبازوں میں سے تھے جن کا نام امر ہو چکا ہے۔ آپ نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں رن کچھ کے محاذ پر وطن کا بے جگری کے ساتھ دفاع کرتے ہوئے ہندوستانی افواج کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا اور میدانِ کارزار میں دشمن کو شکست فاش دی۔ جس بریگیڈیر نے یہ میدان سر کیا اور دشمنانِ وطن کو نیست و نابود کر دیا اور باوجود دشمن کے عددی اکثریت اور ساز و سامان کی فراوانی کے اس کی طاقت کے گھمنڈ کو خاک میں ملا دیا اس کی کمان ایک مخلص احمدی فوجی افسر افتخار جنجوعہ کر رہے تھے ۔

بریگیڈیر افتخار جنجوعہ نے رن کچھ کے اس میدان میں اس بے جگری اور جرأت کا مظاہرہ کیا کہ اپنی طاقت پر نازاں دشمن کو پیچھے ہٹتے ہی بنی۔ افتخار جنجوعہ نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اگلی صفوں میں جا کر جنگ لڑی جس

سے ان کے سپاہیوں اور افسروں کا عزم و حوصلہ بہت بلند ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں پاکستانی افواج نے رن کچھ کے علاقے میں پیش قدمی کی اور آگے بڑھ کر ہندوستانی علاقے پر قابض ہو گئے۔ اس لڑائی میں افتخار جنجوعہ زخمی بھی ہو گئے۔ صدرِ پاکستان نے اس شجاعت و جراُت کے اعتراف میں انہیں نشانِ حیدر کے بعد بہادری کے دوسرے بڑے اعزاز ہلالِ جراُت کا مستحق قرار دیا۔ اور وہ ہیرو آف رن کچھ کے نام سے مشہور ہوئے۔

۱۹۷۱ء کی جنگ میں مغربی پاکستان میں دو محاذوں پر بڑی لڑائیاں لڑی گئیں۔ سب سے بڑا حملہ چھمب کے محاذ پر ہوا کیونکہ ہندوستان ۱۹۶۵ء کی جنگ کا بدلہ لینا چاہتا تھا کہ پاکستانی فوج نے باوجود کم تعداد میں ہونے کے قبضہ کر لیا تھا۔ اس مرتبہ ہندوستان کی فوج نے ۶۵ء سے بڑھ کر جنگ کی تیاری کی ہوئی تھی۔ وہ ہر طرح سے جنگ کے لئے تیار تھا۔ حملہ آور ہونے کی صورت میں بھی اور دفاعی نوعیت کی جنگ کے لئے بھی۔ اس سلسلہ میں ہندوستان نے ہر احتیاطی تدبیر کا انتظام کیا ہوا تھا۔ اس جنگ میں چھمب کے محاذ پر میجر جنرل افتخار نے جراُت و بہادری کا وہ مظاہرہ کیا کہ دشمن بھی عش عش کر اٹھا چنانچہ روزنامہ امروز نے جنگ کے دوران یہ خبر دی:۔

"چھمب جوڑیاں سیکٹر کے اہم مقام منڈیالہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ چھمب جوڑیاں سیکٹر میں دشمن نے طیاروں، بکتر بند دستوں اور توپخانوں کی مدد سے زبردست مزاحمت کی۔ اس کے باوجود ہماری فوجوں نے دشمن کو سخت نقصان پہنچا کر اہم مقام حاصل کر لیا۔"

(روزنامہ امروز ۷؍ دسمبر ۱۹۷۱ء)

جنرل افتخار جنجوعہ نے اپنی بے مثال جراُت و بہادری کا مظاہرہ کیا اور وطن پر جان قربان کر دی۔ چنانچہ میجر جنرل فضل مقیم خان سیکرٹری دفاع حکومت پاکستان نے اپنی کتاب "پاکستان کا المیہ ۱۹۷۱ء" میں آپ کو یوں خراج تحسین پیش کیا:۔

"چھمب سیکٹر میں میجر جنرل افتخار خان کی کمان میں ۲۳ ڈویژن کو جو مشن سونپا گیا تھا اس کے مطابق اُسے دریائے توی تک کا علاقہ دشمن سے صاف کرنا تھا۔۔۔۔ لیکن ۲۳-۱ے کی بٹالین اپنے جواں ہمت اور پُرعزم کمانڈنگ آفیسر کی کمان میں دریا عبور کرنے میں کامیاب ہو گئی۔۔۔۔۔ جس کا دفاع دشمن نے انتہائی مضبوطی سے کیا ہوا تھا۔ اس پر ہندوستان نے ہماری فوج پر زبردست گولہ باری شروع کر دی۔ گھمسان کی جنگ میں دونوں فوجوں کا زبردست جانی نقصان ہوا۔۔۔۔ جواں ہمت اور جانباز ڈویژنل کمانڈر افتخار نے ہمت نہ ہاری۔ وہ ایسی شخصیت نہیں تھے جو دشمن کو چین لینے دیں۔۔۔۔۔ بھارتی فوج اس زبردست حملے کی تاب نہ لا کر بہ عجلت تمام پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئی اور پسپا ہو کر افراتفری کے عالم میں راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اپنے پیچھے جنگی ساز و سامان، اسلحہ کے ڈھیر تقریباً ایک سکواڈرن کے برابر صحیح سالم ٹینک اور بہت سی گاڑیاں بھی چھوڑ گئی۔ منور اور چھمب پر پاکستان کا پرچم لہرا دیا گیا۔

اس وقت تک یہ ڈویژن مسلسل جنگ

کرتے کرتے بہت تھک چکا تھا۔ پھر بھی اس میں ایک ایسا شخص تھا جو اب تک تازہ دم نظر آرہا تھا اور وہ اس کا جنرل تھا۔ بلاشبہ ایسے پُرجوش اور باہمت جنرل کے لیئے موجودہ قسم کی جنگی ذمہ داری (دفاعی پوزیشن میں رہنے والی) اس کی شخصیت کے مطابق نہ تھی کیونکہ ایسے نڈر اور جوشیلے افسر کے لیئے نچلا بیٹھنا ایک مشکل کام تھا۔ ۱۰ر دسمبر کو جو ہیلی کاپٹر جنرل کو اگلے موریچوں کی طرف لے جا رہا تھا اُسے ایک ناخوشگوار حادثہ پیش آیا اور پاکستان کے یہ بہت ہی اچھے جنرل ہسپتال جاتے ہوئے راستے میں دم توڑ گئے۔"

(پاکستان کا المیہ ۱۹۷۱ء صفحہ ۲۸۲ تا ۳۰۸)

جنرل افتخار کو آخری لمحات میں جب ہسپتال لیجایا جارہا تھا تو آپ نے جو آخری الفاظ کہے وہ یہ تھے :-

"مَیں کتنا خوش نصیب ہوں کہ مجھے شہادت کا رتبہ مل گیا۔"

آپ کی انہی خدمات کے اعتراف میں چھمب کا نام افتخار آباد رکھا گیا اور کھاریاں چھاؤنی میں ایک کالج بھی اُنہی کے نام سے معنون ہے۔

افتخار جنجوعہ کی میدانِ جنگ میں بہادری اور جرأت سراہتے ہوئے میجر (ریٹائرڈ) معین باری نے اپنے مضمون میں لکھا :-

"پاک فوج دنیا کی بہترین فوجوں میں سے ایک ہے۔ اس کے جوان اور رینگ آفیسر نڈر، بہادر اور جذبۂ شہادت سے سرشار ہیں کہ ساری قوم ان پر فخر کر سکتی ہے۔ پاک فوج میں اب بھی میجر بھٹی شہید، میجر شریف، خادم اور جنرل جنجوعہ شہید جیسے بہادر اور جری افسروں کی کمی نہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں انہی فوجیوں نے بھارتی فوج کو حواس باختہ کر دیا تھا۔"

(روزنامہ جنگ لاہور ۱۹ر نومبر ۱۹۸۶ء)

قابلِ تقلید ہوا باز

سکواڈرن لیڈر خلیفہ منیر الدین احمد ستارہ جرأت

۱۱ر نومبر ۱۹۶۵ء کی دوپہر کا وقت تھا۔ آپریشن روم میں لڑاکا بمبار ونگ کے کمانڈر محمد انور شمیم (جو بعد میں فضائیہ کے سربراہ بنے) آج ایک انتہائی اہم مگر خطرناک مشن کے بارے میں ہوا بازوں کو اہم ہدایات جاری کرنے والے تھے۔ ہدف امرتسر میں نصب شدہ ریڈار اسٹیشن تھا جس پر سخت پہرہ تھا۔ انور شمیم نے اپنے علاوہ اس مشن کے لیئے تین ہوا بازوں کو منتخب کیا۔

جب انہوں نے ہدایات دینے کے لیئے بلایا تو اُن میں سے صرف دو ہوا باز آئے۔ کمانڈر انور شمیم نے خوش مزاج تنومند ونگ آپریشن آفیسر سکواڈرن منیر الدین کے بارے میں دریافت کیا۔

"جی وہ تو مَیں ہوں" دونوں میں سے ایک نے پکار کر کہا۔

تقریباً نصف گھنٹے کے بعد چار سیبر جیٹ طیارے تباہ کن سامان سے لیس بڑی شان سے اڈے سے اُٹھ آئے اور دس منٹ میں وہ دشمن کے علاقے میں تھے۔ سیبر طیارے نیچی اڑان کر کے امرتسر کے قریب پہنچ

رہے تھے کہ اچانک دشمن کی توپوں نے آگ اُگلنا شروع کر دی۔ چھوٹی بڑی سب گنیں ان پر گولے برسا رہی تھیں اور شیل چاروں طرف پھیل رہے تھے مگر چاروں ہوا باز بے دھڑک آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ جس تیزی سے منیر دشمن کے ریڈار کو نشانہ بنا رہا تھا اسی وجہ سے اب دشمن کے تمام توپ خانے کی توجہ منیر پر مرکوز ہو چکی تھی۔ قریب سے گولیوں کی باڑ گزری تو منیر کا طیارہ بلا خوف و خطر تمام تر یکسوئی کے ساتھ آگ اور فولاد کے جال میں سے گزرا۔ وہ اپنے نشانے کے قریب آ رہا تھا کہ دشمن کا گولا آن لگا۔ "مجھے گولا لگا ہے" منیر نے اپنے ونگ کمانڈر کو بتایا۔ اس کے بعد ریڈیو ٹیلی فون خاموش ہو گیا۔ ایک بہادر پائلٹ جاں بحق ہو چکا تھا۔

"ہمارے غازی ہمارے شہید" کے مصنف آغا اشرف نے اپنی کتاب میں خلیفہ منیر الدین احمد کے حالات اور کارنامے "ناقابلِ تقلید ہوا باز" کے عنوان سے یوں بیان کئے ہیں:۔

"گورداسپور کا ۲۶ سالہ منیر بڑا ذہین اور نڈر ہوا باز تھا۔ ساری ایئر فورس میں وہ بڑی مقبول اور ہر دلعزیز شخصیت تھا۔ بذلہ سنج کڑا نشانہ باز اور تنومند منیر تھوڑا سا ہکلایا کرتا تھا۔ اس کے جوہر فضائے آسمان پر کھلتے اور یوں لگتا گویا وہ صرف ہوا بازی اور فضائی جنگ کے سہارے زندہ ہے۔ اس کی ساری زندگی کا محور یہی ہے۔ ہوا بازی کے بغیر اس کے لئے زندگی کا کوئی مفہوم نہ تھا۔ بعض اوقات اس کے دوست اسے یہ کہکر چھیڑتے کہ اسے ائیر ہیڈ کوارٹرز میں سٹاف ڈیوٹی دی جا رہی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے افسروں کی منت سماجت شروع کر دیتا تاکہ اس کا تبادلہ نہ ہو اور اسے ہوا بازی چھوڑنی نہ پڑے۔

۱۴ ستمبر کو اس نے چھمب سیکٹر میں دشمن کے متعدد ٹینک اور گاڑیاں تباہ کرنے کے مشن میں حصہ لیا۔ اس کے بعد اس نے تقریباً ہر روز جنگی کارروائی میں حصہ لیا۔ ۱۱ ستمبر کو اس نے سب سے بڑی قربانی دے دی۔

سکواڈرن لیڈر منیر الدین کو شہادت کے بعد انتہائی کٹھن مرحلہ پر عزم و حوصلہ کا مظاہرہ کرنے اور فرائض کو جانفشانی سے سے سرانجام دینے پر ستارۂ جرأت کا اعزاز دیا گیا۔

جنگ کے دوران امرتسر میں نصب اعلیٰ درجہ کا راڈار جس پر کڑا پہرہ تھا پاکستان ایئر فورس کے لڑاکا طیاروں کے بار بار حملوں نے بے کار بنا دیا۔ سکواڈرن لیڈر منیر الدین احمد نے رضا کارانہ طور پر ان تمام حملوں میں حصہ لیا اور ذاتی تحفظ کا خیال کئے بغیر اس نے اپنا نشانہ تلاش کرنے اور اسے تباہ کرنے کے لیئے دشمن کی مار کو بھی درخورِ اعتناء نہ گردانا۔ ۱۱ ستمبر کو آخری کامیاب حملے میں اس نے اپنی جان وطن پر قربان کر دی گنوں کی ہرتابڑ توڑ گولہ باری سے اس کا طیارہ تباہ ہو گیا۔ آخری اڑان سے پہلے سکواڈرن لیڈر منیر الدین احمد آٹھ کارناموں

میں حصہ لے چکا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ اپنے دوستوں کی منت سماجت کر کے انہیں اپنی گراؤنڈ ڈیوٹی عارضی طور پر سپرد کرتا اور خود فضائی جنگ پر روانہ ہو جاتا۔ ان مشقوں میں سے ایک مشق کے دوران ۱۰ ستمبر کو اپنے طیارہ کو بھارتی علاقے میں لے گیا اور ایک بھارتی نیٹ طیارہ مار گرایا۔"

(ہمارے غازی ہمارے شہید صفحہ ۷۷۔۲۲)

پاک فضائیہ کی تاریخ میں خلیفہ منیر الدین احمد کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے :۔

"پی اے ایف کے لڑاکا ہوا بازوں کے پیہم پُرعزم حملوں کے نتیجے میں بالآخر امرتسر کے نواح میں انتہائی محفوظ اور مستعد بھارتی ریڈار اسٹیشن غیر مؤثر ہو کر رہ گیا۔ سکواڈرن لیڈر منیر الدین احمد بلا تامل اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر ان کارروائیوں میں شریک ہوئے اور اپنے ہدف کی تلاش اور تباہی کی غرض سے پہروں دشمن کی شعلہ بار توپوں کے علاقے میں سرگرداں رہے۔ ۱۱ ستمبر کے آخری کامیاب حملے کے دوران ان کا طیارہ ایک توپوں کے جھرمٹ کے تباہ کن فائر کی زد میں آگیا اور وہ ناموسِ وطن پر نثار ہو گئے۔ اپنے آخری مشن سے قبل سکواڈرن لیڈر منیر الدین احمد فضائی جنگ کی آٹھ کارروائیوں میں شریک ہو چکے تھے۔

۱۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کو اپنی ذاتی تحریک کے ایک مشن کے دوران ان کی فارمیشن نے دشمن کے لڑاکا طیاروں کے تعاقب میں بھارتی علاقے میں داخل ہو کر آئی اے ایف (انڈین ایئر فورس) کو ایک نیٹ طیارے سے محروم کر دیا۔ چنانچہ انتہائی نامساعد حالات میں اپنے فرض کے تقاضوں سے بالاتر جرأت و استقلال کے مظاہرے پر سکواڈرن لیڈر منیر الدین احمد کو بعد از شہادت ستارہ جرأت عطا کیا جاتا ہے۔" (پاک فضائیہ کی تاریخ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۸۴ء صفحہ ۳۸۲)

میجر قاضی بشیر احمد

میجر قاضی بشیر احمد صاحب مردان کے رہنے والے تھے۔ آپ ۱۹۶۵ء میں جوڑیاں کے محاذ پر داد شجاعت دیتے ہوئے جاں بحق ہو گئے۔

تحریک پاکستان میں بھی قاضی بشیر احمد نے سرگرم حصہ لیا تھا اور مسلم لیگ اور نیشنل گارڈ کے ایک پُرجوش اور سرگرم رکن رہے۔ قائداعظم کی ذات سے انہیں بڑی عقیدت تھی۔ قائدِاعظم کا نام سنتے ہی اُن کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگتے۔ بی اے کرنے کے بعد آپ نے فوج میں کمیشن لے لیا۔ وطن عزیز کی سالمیت و آزادی کا تحفظ ان کا واحد نصب العین بن گیا۔ جنگ سے پہلے قاضی بشیر احمد رخصت پر گھر آئے ہوئے تھے کہ آپ کو فوراً محاذِ جنگ پر پہنچنے کا حکم ملا۔ آپ نے محاذِ جنگ پر روانہ ہوتے وقت گھر والوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا :۔

"موت کا ایک دن معین ہے اور پھر میں تو جہاد پر جا رہا ہوں اگر مجھے موت آگئی تو یہ شہادت کی موت ہو گی اور اس سے ارفع

موت اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہاں سوال زندگی یا موت کا نہیں بلکہ شجاعت و پامردی کے ساتھ لڑنے اور فتح حاصل کرنے کا ہے۔ خدا مجھے اور میرے ساتھیوں کو کامران و سرخرو رکھے تاکہ میں فخر کے ساتھ سربلند کر کے چل سکوں۔"

محاذِ جنگ سے انہوں نے اپنے خط میں لکھا:۔

"محاذِ جنگ پر میری موجودگی میرے لیئے فخر کا باعث ہے اور آپ کے لیئے موجب مسرت۔"

انہوں نے اپنا کہا پورا کر دکھایا۔ جوڑیاں کے محاذ پر جس جوانمردی اور شجاعت سے ہندوستانی فوج کا مقابلہ کیا اور اس کو شکست دی۔ وہ تاریخ کا ایک حصہ بن چکی ہے۔

قاضی بشیر احمد نے جنگ کے دوران جو خطوط اپنے گھر والوں کو لکھے اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے دل میں ایک سچے سپاہی کا دل دھڑک رہا تھا۔ اُن کے سامنے دو ہی مقاصد تھے۔ دشمن پر کامل فتح یا شہادت کی موت۔ ان کے خلوص کا کرشمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں تمنائیں پوری کر دیں۔ انہوں نے اپنے جانباز ساتھیوں کی قیادت کرتے ہوئے ہندوستانی فوج کو ذلت آمیز شکست دی اور جوڑیاں سے آگے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے شیل لگنے سے جاں بحق ہو گئے۔

۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کو رحلت کے وقت اُن کی عمر تیس سال تھی اور تین کمسن بچے ان کی یادگار ہیں۔ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔ ٹیپو سلطان شہید کا یہ جملہ ان کے ورد زبان تھا۔ چنانچہ اُن کے آفیسر کمانڈنگ کا بیان ہے کہ:۔

"میجر مرحوم نے زندگی کے آخری تین دن اس طرح گزارے کہ کھانے پینے اور آرام کرنے کی مہلت ہی ان کو نہ ملی۔ وہ مسلسل لڑتے رہے۔ جب ان کی نعش محاذ سے گاڑی پر لائی گئی تو سپاہی اور آفیسر دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ شہادت کے وقت وہ دشمن کی گولہ باری سے نکل آئے تھے اور تیزی سے آگے ہی بڑھتے جارہے تھے کہ ایک شیل اُن کو آلگا۔"

(حق کے پرستار از نسیم کاشمیری صفحہ ۳۹۶)

ریکارڈ قائم کرنیوالے ہوا باز کے کارنامے

فلائنگ آفیسر محمد شمس الحق ستارۂ جرأت

ایک اور جانباز احمدی فلائنگ آفیسر محمد شمس الحق دسمبر ۱۹۷۱ء میں، ڈھاکہ مشرقی پاکستان میں بھارتی حملہ آور طیاروں کا مقابلہ کرتے ہوئے جاں بحق ہو گئے۔ آپ اپنے سکواڈرن کے سب سے کم عمر اور کم تجربہ رکھنے والے ہوا باز تھے۔ اس کے باوجود آپ نے پاک بھارت جنگ میں پاک فضائیہ کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے دشمن کے طیاروں کا مقابلہ کیا اور ڈھاکہ ایئرپورٹ پر بھارتی طیاروں کو بمباری کرنے کا موقع نہ دیا۔ آپ نے اس موقع پر بے مثال مہارت، جذبے اور جرأت کا مظاہرہ کیا اور اس فضائی جھڑپ میں آپ جاں بحق ہو گئے۔

پاک فضائیہ کی تاریخ میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

"اپنے سکواڈرن کے سب سے نوخیز اور کم تجربہ کار ہوا باز ہونے کے باوجود فلائنگ آفیسر محمد شمس الحق نے دوران جنگ مثالی جرأت اور مہارت پرواز کا مظاہرہ کیا۔ ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کو انہیں ڈھاکہ مستقر پر حملہ آور چار ایس۔یو۔۷ طیاروں کے خلاف مزاحمتی کارروائی کے احکامات ملے۔ جونہی وہ فضا میں بلند ہوئے بھارتی طیاروں نے ان کی فارمیشن پر میزائلوں کی بوچھاڑ کردی۔ مگر وہ انتہائی تحمل کے ساتھ کم رفتاری سے حملہ آور طیاروں پر جا لپکے اور اپنے ونگ مین کو دوبارہ میزائل چھوڑنے کے لئے کہا۔ ایک اور جھڑپ کے دوران ایک ایس۔یو۔۷ کو مار گرایا۔ اسی اثناء میں چار ہنٹر بھی لڑائی میں شریک ہو گئے۔ فلائنگ آفیسر شمس الحق بلا تامل ہنٹر طیاروں پر پل پڑے اور ان میں سے دو کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد دشمن کے چار مگ طیاروں نے ان پر حملہ بول دیا۔ تاہم اپنی مستعد منصوبہ بندی اور طیارے کے بہتر استعمال کے ذریعے انہوں نے دشمن کے اس حملے کو بھی ناکام بنا دیا۔ چنانچہ انتہائی نامساعد حالات میں مثالی جرأت اور شاندار مہارت کے مظاہرے پر فلائنگ آفیسر محمد شمس الحق کو ستارۂ جرأت عطا کیا جاتا ہے۔"

(پاک فضائیہ کی تاریخ صفحہ ۲۸۶)

لیفٹیننٹ کرنل بشارت احمد تمغۂ امتیاز

کرنل بشارت احمد دسمبر ۱۹۷۱ء میں ۱۳۔آزاد کشمیر بٹالین کی کمانڈ کر رہے تھے۔ پاکستانی فوج بڑی تیزی سے چھمب کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک کے بعد ایک دیہات کو فتح کرتی چلی جا رہی تھی۔ ہندوستانی فوج جو بہت بڑی تعداد میں تھی اور پوری طرح ساز و سامان سے لیس تھی اس کو ہوائی فوج کا تحفظ بھی حاصل تھا۔ پاکستانی فوج اس کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کر رہی تھی۔ کرنل بشارت احمد اور ان کے طوفانی دستے اس تیزی سے آگے بڑھے کہ ان کا اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ دشمن نے ان کو نرغے میں لے لیا اور گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ جس پر یہ تمام کے تمام یا تو شہید ہو گئے اور باقی زخمی ہو گئے اور واپس جانے سے معذور ہو گئے۔ میجر عباس، کیپٹن شریف، کرنل بشارت اور دوسرے سپاہیوں کو ہندوستانی فوجیوں نے قیدی بنا لیا اور ان کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ زخمی ہونے کی وجہ سے خون کی کمی ہو گئی۔ آخر ہسپتال میں ان کو علاج کے لئے بھجوا دیا گیا۔

پاک فوج کے چند بہادر سپاہیوں کے قیدی بنا لئے جانے کی تصدیق ہو گئی تو ہندوستانی افواج کا کمانڈر انچیف جنرل مانک شاہ خود کرنل بشارت احمد کے کمرہ میں آیا اور کچھ سوالات کئے۔ کرنل بشارت نے نہایت جرأت سے اُن کے سوالات کا جواب دیا۔ جنرل مانک شاہ کی اس گفتگو کا ذکر کرنل بشارت صاحب نے اپنی کتاب میں خود کیا ہے۔ مانک شاہ نے ان سے سوال کیا "کیا تم جانتے ہو کہ آج ۱۶ دسمبر ہے۔ بنگلہ دیش آزاد ہو چکا

ہے تمہارے اس کے بارے میں کیا تاثرات ہیں ؟" میں نے جواباً کہا۔ آج آپ کو موقعہ ملا ہے ایک دن ہمیں موقعہ ملے گا تو پاکستان کی سرحدیں شملہ ڈلہوزی تک بڑھ جائینگی آج تمہارا ملک غیر ملکی امداد سے طاقتور ہے کل ہم اپنا بدلہ لیں گے۔ یہ جواب سُننے سے جنرل مانک شاہ حیران ہوگیا۔ وہ کچھ بڑبڑایا اور کہا۔

کرنل! دیکھو تمہارا باپ بھی ایسا نہیں کرسکتا ہم نے تم کو شکست دی ہے۔

مَیں نے کہا۔ جناب! میرا باپ فوت ہو چکا ہے لیکن اس کے بیٹے نے تمہاری فوج کو کافی نقصان پہنچایا ہے۔ اور تمہاری فوج نے صرف میری ایک ٹانگ کو نقصان پہنچایا ہے مَیں پھر اپنے ملک کی حفاظت کے لیئے لڑنے کے قابل ہو جاؤں گا۔

پھر جنرل مانک شاہ نے کہا کہ تمہاری بٹالین نے بھارت کا بہت نقصان کیا ہے اب تمہیں اپنے کیئے کی سزا ملے گی۔

مَیں نے جواباً کہا۔ جناب آپ مائنڈ نہ کریں ہم لڑنے والے سپاہی ہیں اور اس کی قیمت ادا کرنا بھی جانتے ہیں۔"

پھر ان کو اخباری نمائندوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان سے سوال ہوُا :۔

سوال :۔ کرنل! تم ہندوستان پر تین بار حملہ کر چکے ہو ابھی کتنی بار اور حملے کرنے کا ارادہ ہے ؟

جواب :۔ مَیں نے کہا۔ ہم سلطان محمود غزنوی کے پیروکار ہیں۔ اس نے چھوٹے سے سومنات کے لیئے ہندوستان پر ۱۷ حملے کیئے تھے ہمارے سامنے تو ایک بہت بڑا سومنات ہے اور گزشتہ تاریخ کے لحاظ سے ابھی ۱۴ بار مزید حملے کا امکان ہے۔

یہ بہادر فوجی جو اپنے ملک کا دفاع کرتے ہوئے دشمن کے قبضے میں چلا گیا تھا زخمی قیدیوں کے تبادلے میں ۲۲ فروری ۱۹۷۲ء کو واپس پاکستان آ گیا اور اس کی بہادری اور جرأت کے صلے میں اُسے تمغۂ امتیاز دیا گیا۔ ماخوذ از :

(THE SOLDIER WITH MISSION BY L.T COLONEL BASHARAT AHMAD)

حضرت مرزا طاہر احمد امام جماعت احمدیہ نے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا :۔

"لوگ تو اس ملک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن آپ ان کوششوں کی راہ میں روک بن جائیں اور حب الوطنی کے گیت گائیں اور ساری قوم کو سمجھائیں کہ ان لوگوں کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں اپنے پاؤں پر کلہاڑی کیوں مارتے ہو۔ حب الوطنی کے جذبہ کو زخمی نہ ہونے دو۔ اس لیئے جماعت احمدیہ کو یہ جہاد بھی کرنا چاہیئے کہ پاکستان میں حب الوطنی کے احساس کو نمایاں کیا جائے اور بیدار کیا جائے اور ہر قسم کے ایسے خیالات جو پاکستان کو کسی طرح نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان کے خلاف کوشش کرنا بھی جماعت احمدیہ کا کام ہے۔

حضور نے مزید فرمایا کہ "اگر دعائیں اس کوشش کو تقویت دیں تو پھر یقیناً آپ کو کامیابی نصیب ہوگی اور مَیں امید رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ سلامت رکھے کیونکہ یہ ملک دین کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس

لحاظ سے یہ واحد ملک ہے۔ اس لئے اگر
اس مقدس نام سے پیار اور محبت ہے تو پھر
دنیا کے ہر احمدی کو چاہیئے کہ پاکستان کو
نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دے۔"
(اقتباس از خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸ نومبر ۱۹۸۶ء)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے "جنگ" لندن کو اپنے
ایک انٹرویو میں ان فوجی افسران کا ذکر یوں فرمایا:۔

"مجھے آپ یہ بتایئے کبھی ان سے کسی نے
کیوں نہیں پوچھا کہ جب جنگیں ہندوستان
پاکستان کی ہوئی ہیں تو سرِ فہرست کون سے
ہیرو تھے جو پاکستان کے دفاع میں عظیم الشان
جرنیلوں کے طور پر اُبھرے ہیں۔ شہداء میں
جن کے نام لکھے ہوئے ہیں، جن کو تمغے ملے
ہوئے ہیں۔ جنرل اختر ملک کا نام ایک
عظیم جرنیل کے طور پر ساری دُنیا میں شہرت
پا گیا تھا کشمیر کے محاذ میں انہوں نے ہندوستان
کو رگید اہے۔ پھر چونڈہ کے محاذ پر ہیرو
عبد العلی ملک تھے۔ ...... پھر سندھ میں
رن کچھ کے علاقے میں بریگیڈیئر افتخار تھے۔
یہ سارے احمدی ہیں۔ اچھے بددیانت لوگ
ہیں!! کہ جب جان کی بازی لگانے، سر دھڑ
کی بازی لگانے کا وقت آیا تو سب سے آگے
ہوتے ہیں۔
بہت سے جرنیل تھے ان میں احمدیوں
کی تعداد، جرنیلوں کی، تھوڑی ہے۔ لیکن
کیسا اتفاق ہوا کہ جتنے تھے سارے چمک
اُٹھے۔ اُن کے دل میں جذبے تھے اور وطن
سے محبت کرنے والے تھے۔"

(روزنامہ جنگ لندن ۲ دسمبر ۱۹۸۸ء)

خوش نصیب احمدی بچّوں اور ان کے واجب الاحترام والدین

کی خدمت میں

احمدیہ صد سالہ جشنِ تشکّر کے مبارک موقع پر

پُرخلوص مُبارکباد

JAMICA GARMENTS

بچّوں کے آرام دہ اور دیدہ زیب لباس پیش کرتے ہیں۔ بچّوں

کے لباس کے لئے موسم اور بچّوں کی نازک جِلد اور سکون کا

خاص خیال رکھا جاتا ہے

پروپرائیٹر: محمد ناظر

خان منزل رحمت مارکیٹ۔ انارکلی لاہور

فون آفس ۳۲۳۸۱۵ فون فیکٹری ۵۴۱۰۲

حضرت منشی ظفر احمد صاحب

حضرت منشی ظفر احمد صاحب حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ۳۱۳ خاص ساتھیوں میں سے تھے۔ آپ حضرت اقدس کے قدیم ساتھیوں میں تھے۔ آپ کا حضرت اقدس سے تعلق ۱۸۸۴ء سے شروع ہو کر حضور کی وفات ۱۹۰۸ء تک رہا۔ حضرت منشی صاحب کو حضور کا اتنا قرب حاصل تھا کہ جب آپ قادیان میں ہوتے تو حضرت اقدس کی ڈاک آپ کے سپرد ہوتی۔ آپ ڈاک سنایا کرتے تھے۔ ایک خط پر لکھا ہوا تھا کہ کوئی دوسرا نہ کھولے۔ باقی خطوط تو آپ نے سنائے لیکن وہ خط حضور کے پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا "کھول کو سنائیں۔ دوسرے کے لئے ممانعت ہے۔ ہم اور آپ کوئی دو ہیں"۔

آپ کے والد صاحب کا نام مشتاق احمد عرف محمد ابراہیم تھا۔ آپ ۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن ہندوستان کے صوبہ یو۔ پی کے ضلع مظفر نگر میں بڈھانہ کا قصبہ تھا۔ اس زمانے میں تعلیم کے لئے سکول و کالج نہیں ہوتے تھے بلکہ مکتبی تعلیم کا سلسلہ ہوتا تھا۔ اسی طریق پر آپ نے اردو فارسی زبان اور درسی کتب کی تکمیل کی۔ حضرت منشی صاحب باقاعدہ علم حاصل کئے ہوئے عالم تھے۔ اُس زمانہ میں "منشی" کا لفظ اس شخص پر بولا جاتا تھا جو قدرتِ انشاء رکھتا ہو اور نہایت ذی علم ہو۔ آپ قادر القلم منشی تھے

ذہانت: مکتبی تعلیم سے فارغ ہوئے تو سترہ سال کے قریب عمر تھی۔ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں تحصیلدار کی کچہری میں جانا پڑا وہاں پر ایک تحریر کسی نے خطِ تعزی میں لکھ کر پیش کی ہوئی تھی سب لوگ اس تحریر کے پڑھنے میں ناکام رہے۔ چونکہ آپ کا علم تازہ تھا آپ نے تحصیلدار کے سامنے وہ تحریر بالکل صحیح پڑھ دی جس سے لوگوں پر آپ کی ذہانت کا بہت اثر ہوا۔

آپ کے چچا حافظ احمد اللہ صاحب قصبہ سلطانپور ریاست کپورتھلہ میں تحصیلدار تھے اُن کے اولاد نہ تھی وہ آپ کو بیٹے کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ آپ ۲۰-۲۱ سال کی عمر میں کپورتھلہ کی عدالت میں اپیل نویس مقرر ہو گئے۔ آپ اس ملازمت سے خوش تھے کیونکہ آپ پر ملازمت والی پابندی نہیں تھی۔ آپ کی عمر ۱۹ سال کی تھی کہ آپ حاجی ولی اللہ صاحب (جو کپورتھلہ میں سیشن جج تھے) کو براہین احمدیہ سنایا کرتے تھے۔ یہاں سے ہی آپ کو حضرت اقدس سے عقیدت ہو گئی۔ سرمہ چشم آریہ کی اشاعت سے قبل جب حضور جالندھر تشریف لے گئے تو آپ بھی حضور کی پیشوائی کے لئے گئے تھے۔ راجہ کنور بکرما سنگھ نے اپنا وزیر اور سواری حضور کو لانے کے لئے بھیجے ہوئے

تھے۔ حضور نے آپ سے مصافحہ فرمایا۔ حضور نے دریافت فرمایا آپ کہاں رہتے ہیں؟ آپ کے بتانے پر حضور نے فرمایا ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ چنانچہ حضور منشی صاحب کے ہاں تشریف لائے۔

اس کے بعد آپ کا تعلق بڑھتا ہی گیا۔ آپ نے کئی دفعہ حضور کی خدمت میں بیعت کے لیئے عرض کیا حضور فرماتے مجھے حکم نہیں لیکن ہم سے ملتے رہا کرو۔ پھر آپ اپنے دوستوں محمد خان صاحب اور منشی اروڑے خان صاحب کے ساتھ بہت دفعہ قادیان گئے۔ جب حضور نے ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت لینے کا اعلان فرمایا تو حضور نے اشتہارات بیعت آپ کو بھجوائے۔ آپ اپنی بیعت کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"منشی اروڑا صاحب فوراً لدھیانہ کو روانہ ہو گئے۔ دوسرے دن محمد خان صاحب اور مَیں گئے اور بیعت کر لی۔ منشی عبدالرحمٰن صاحب تیسرے دن پہنچے انہوں نے استخارہ کیا۔ آواز آئی "عبدالرحمٰن آجا"۔ ہم سے پہلے آٹھ نو کس بیعت کر چکے تھے۔ بیعت حضور اکیلے اکیلے کو بٹھا کر لیتے تھے...... پہلے منشی اروڑا صاحب نے پھر مَیں نے۔ مَیں جب بیعت کرنے لگا تو حضور نے فرمایا کہ آپ کے رفیق کہاں ہیں؟ مَیں نے عرض کی منشی اروڑا صاحب نے بیعت کر لی ہے اور محمد خان صاحب نہا رہے ہیں کہ نہا کر بیعت کریں..... بیعت..... کر کے ۱۵۔۲۰ روز لدھیانہ میں ٹھہرا رہا۔ اور بہت سے لوگ بیعت کرتے رہے۔ حضور تنہائی میں بیعت لیتے تھے اور کواڑ بھی قدرے بند ہوتے تھے۔ بیعت کرتے وقت جسم پر ایک لرزہ اور رقّت طاری ہو جاتی تھی۔ اور دعا بعد بیعت بہت لمبی فرماتے تھے اس لیئے ایک دن میں بیس پچیس کے قریب افراد بیعت ہوتے تھے۔"

(اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۹۱)

مہمان نوازی اور ذکرِ حبیب میں انہماک

حضرت منشی ظفر احمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اقدس مہمانوں کی انتہائی خاطرداری فرمایا کرتے تھے اور مہمانوں کے لیئے عمدہ کھانا تیار کرواتے حضور کا نمونہ خدام کے لیئے ایک اسوہ تھا۔ عیدین کے موقعہ پر دیہات سے عید پڑھنے کے لیئے بیس تیس احمدی دوست کپورتھلہ آتے آپ ان سب کے لیئے کھانے کا انتظام پہلے سے کرا چھوڑتے تا عید کے بعد ان کو اپنے گاؤں واپس نہ جانا پڑے اور اکٹھے مل بیٹھ کر حضرت اقدس کے حالات بیان کرتے جن کو حضرت اقدس کے حالات کا علم نہیں تھا انکو حالات سُناتے۔ اگر کوئی رفیق مل جاتا جو اکٹھے حضرت اقدس کی خدمت میں رہے ہوں تو پھر ان حالات کا تذکرہ کرتے اور ایک دوسرے کو سُناتے اور یادوں کو تازہ کرتے۔ ذکرِ حبیب میں یہاں تک محو ہو جاتے کہ کھانے کے وقت کا خیال اور نہ کسی اور بات کا۔ حضور کی باتوں کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے۔ کبھی زار و قطار روتے کبھی یادوں کو تازہ کر کے خوش ہوتے۔

قرآن مجید سے محبت

قرآن مجید سے آپ کو بہت محبت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہوئے بہت دفعہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ رمضان کے مہینہ میں آپ کا یہ طریق تھا کہ رات کو تراویح میں جو سیپارہ پڑھا جانا ہوتا تھا آپ اس پارہ کے تفسیری نوٹ تیار کرتے اور تراویح کے بعد دوستوں کے سامنے اپنے نوٹ سنا دیتے کہ جو پارہ آج پڑھا گیا ہے اس کا مطلب اور احکام الٰہی یہ ہیں۔

حاضر طبعی

آپ کی طبیعت بڑی رسا اور حاضر تھی پیچیدگی سے نکل جانا آپ کا خاص وصف تھا۔ کرم دین نے جو مقدمہ حضور کے خلاف دائر کیا تھا حضرت منشی ظفر احمد اُس مقدمہ میں بطور گواہ صفائی پیش ہوئے۔ کرم دین نے بڑی جرح کی۔ بعد میں عدالت نے منشی صاحب سے یہ سوال کیا کہ آیا آپ مرزا صاحب پر اپنا جان و مال قربان کر سکتے ہیں؟ حضرت منشی صاحب نے فوراً بھانپ لیا کہ سوال کا مقصد شہادت کو جانبدار ثابت کرنا ہے۔ آپ نے بلا تامل جواب دیا کہ میں نے تو اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لیے حضور کی بیعت کی ہے۔ آپ کا یہ جواب سُن کر اس نے دانتوں میں قلم لے لیا۔ بات وہی تھی لیکن یہ طرز ادا کرنے سے اعتراض کا پہلو جاتا رہا۔ (اصحاب احمد جلد چہارم صـ۲۳)

حضرت اقدس کی رفاقت

حضرت اقدس کے ہر سفر میں آپ ساتھ رہے۔ حضرت اقدس اپنے سفر کی اطلاع دے دیتے۔ چنانچہ آپ رخصت لے کر قادیان پہنچ جاتے اور حضور کے ساتھ سفر میں شریک ہو جاتے۔

آپ کا تعلق حضرت اقدس سے اس قسم کا تھا کہ من تو شدم تو من شدی۔ ہر سفر میں شریک اور ہر تقریب میں شامل ہوتے۔ ایک تقریب کی آپ کو اطلاع نہ ملی آپ نے حضرت اقدس کو خط لکھا۔ حضور نے جواباً لکھا کہ:-

"میں نے مولوی عبدالکریم صاحب سے کہہ دیا تھا کہ آپ کو اور چند اور دوستوں کو ضرور اطلاع کر دیں لیکن وہ لکھنا بھول گئے اور اس تقریب میں آپ لوگوں کے شامل نہ ہونے کا مجھے بڑا قلق ہے لیکن آپ خیال نہ کریں کیونکہ کپورتھلہ کی جماعت دنیا میں میرے ساتھ رہی ہے اور آخرت میں بھی میرے ساتھ ہو گی۔"

(اصحاب احمد جلد چہارم صـ۲۸)

حضرت اقدس سے عشق

حضرت اقدس سے آپ کو جو تعلق تھا اس میں نازو نیاز کا ایک عجیب امتزاج تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے:-

"ہم حضور کے ادنیٰ خادم اور غلام تھے لیکن ہمارا حضور کے ساتھ تعلق بہت دفعہ بے تکلف دوستوں کا سا بھی ہوتا۔ اور حضور ہماری باتوں پر ہنستے رہتے۔ مثلاً"

حضرت صاحب کوئی تصنیف فرما رہے ہیں اور کسی کو ملاقات کی اجازت نہیں ہے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے کہتے ہیں کہ ہمارے لیئے روک نہیں ہے، حضور بڑی خوشی سے آنے دیتے ہیں۔ یہ ایک کیفیت اور جذبہ تھا۔ جمالِ دوست کے بغیر ان خادموں کی طبیعت میں اطمینان نہیں ہوتا تھا۔"

حضرت اقدس گورداسپور ٹھہرے ہوئے ہیں حضرت منشی صاحب رات دیر سے پہنچے۔ حضور ایک کمرہ میں معہ خدام فروکش ہیں۔ سب سو رہے ہیں، کوئی چارپائی خالی نہیں۔ حضور دیکھ کر انہیں اپنی چارپائی کو تھپک کر اشارہ فرماتے ہیں کہ یہاں آجاؤ اور اپنا لحاف آپ پر ڈال دیتے ہیں۔ اس قسم کی پدرانہ شفقت کے کئی واقعات ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۹ سال کی عمر میں ہی آپ حضور کی غلامی میں داخل ہوئے اور گویا بچوں کی طرح حضور کے دامن تربیت میں آپ نے پرورش پائی اور ہر حال میں شریک رہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"منشی صاحب مرحوم ان چند خاص بزرگوں میں سے تھے جن کے ساتھ حضرت اقدس کا خاص بے تکلفانہ تعلق تھا کپورتھلہ کی جماعت ہیں، ہاں وہی جماعت جس نے حضرت (اقدس۔ ناقل) کے ہاتھوں سے یہ مبارک سندیں حاصل کی ہیں کہ خدا کے فضل سے وہ جنت میں بھی اسی طرح آپ کے ساتھ ہوں گی جس طرح وہ دنیا میں ساتھ رہے۔ تین بزرگ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں

(۱) حضرت میاں محمد خان صاحب مرحوم

(۲) حضرت منشی روڑا صاحب مرحوم اور

(۳) حضرت منشی ظفر احمد صاحب مرحوم۔ یہ تینوں بزرگ حقیقۃً شمعِ مسیح کے جاں نثار پروانے تھے جن کی زندگی کا مقصد اس شمع کے گرد گھوم کر جان دینا تھا۔ انتہائی درجہ محبت کرنے والے انتہاء درجہ مخلص انتہائی درجہ وفادار اور انتہاء درجہ جاں نثار اپنے محبوب کی محبت میں جینے والے جن کا مذہب عشق تھا اور پھر عشق اور پھر عشق اور عشق میں ہی انہوں نے اپنی ساری زندگیاں گزار دیں۔ کیا یہ لوگ کبھی مر سکتے ہیں"۔ ۵

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(الفضل ۱۴ ستمبر ۱۹۴۱ء)

بے نظیر اخلاص و ایثار

ایک دفعہ حضرت اقدس کو لدھیانہ میں کسی ضروری اشتہار کے چھپوانے کے لیئے ساٹھ روپے کی ضرورت پیش آئی۔ حضور کے پاس رقم نہیں تھی اور ضرورت فوری اور سخت تھی۔ اس وقت منشی صاحب حضرت صاحب کے پاس لدھیانہ میں آئے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب نے منشی صاحب کو بلایا اور فرمایا اس فوری ضرورت کیلئے آپ کی

جماعت اِس رقم کا انتظام کر سکے گی ؟ یہ سنتے ہی آپ فوراً کپور تھلہ گئے اور جماعت کے کسی فرد سے ذکر کئے بغیر اپنی بیوی کا زیور فروخت کر کے ساٹھ روپے حاصل کئے اور حضرت صاحب کی خدمت میں لا کر پیش کر دیئے۔ حضرت صاحب بہت خوش ہوئے۔ حضرت صاحب یہی سمجھتے رہے کہ کپور تھلہ کی جماعت نے رقم کا انتظام کیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت منشی اروڑا صاحب حضرت صاحب کے پاس گئے تو حضرت صاحب نے خوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ منشی صاحب اِس وقت آپ کی جماعت نے بڑی ضرورت کے وقت امداد کی۔ منشی صاحب نے حیران ہو کر پوچھا حضرت کونسی امداد، مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا" یہی جو منشی ظفر احمد صاحب جماعت کپور تھلہ کی طرف سے ساٹھ روپے لائے تھے"۔ منشی صاحب نے کہا حضرت! منشی صاحب نے مجھ سے تو اس کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ ہی جماعت سے ذکر کیا۔ مَیں اُن سے پوچھوں گا کہ ہمیں کیوں نہیں بتایا۔ واپس جا کر منشی ظفر احمد صاحب سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضرت صاحب کو ضرورت پیش آئی اور آپ نے ہمیں بتایا تک نہیں۔ پھر منشی اروڑا صاحب چھ ماہ تک منشی ظفر احمد صاحب سے ناراض رہے۔ اللہ اللہ یہ وہ فدائی لوگ تھے جو حضرت اقدس کو عطا ہوئے۔

(الفضل ۴ ستمبر ۱۹۴۱ء)

غرضیکہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب ہر وقت ہر حال میں حضرت اقدس کے ساتھ رہے۔ پادری عبداللہ آتھم کے ساتھ "جنگِ مقدس کے پرچے آپ کو حضرت اقدس لکھوایا کرتے تھے۔ آپ بہت خوش خط اور زود نویس تھے۔

حضرت منشی ظفر احمد صاحب ۱۵ اگست ۱۹۴۱ء کو بعارضہ پیچش بیمار ہوئے اور ۲۰ اگست ۱۹۴۱ء کو صبح ۶½ بجے حضرت اقدس کا یہ بے مثال عاشقِ صادق اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گیا۔ آپ کا جسدِ خاکی قادیان لایا گیا۔ نماز جنازہ امیر مقامی حضرت مولانا شیر علی صاحب نے پڑھائی اور مقبرہ بہشتی میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔

آپ کی وفات کے وقت حضرت فضلِ عمر قادیان سے باہر تھے اس لئے تدفین میں شامل نہ ہو سکے۔ حضور تدفین کے بعد تشریف لائے۔ آپ نے ۲۲ اگست ۱۹۴۱ء کے خطبہ جمعہ میں حضرت منشی صاحب کا تفصیل سے ذکر فرمایا۔ اس کا ایک حصہ ذیل میں درج ہے۔ حضور نے فرمایا :-

"وہ لوگ جو حضرت (اقدس۔ ناقل) کے دعویٰ کے ابتدائی ایام میں آپ پر ایمان لائے، آپ سے تعلق پیدا کیا اور ہر قسم کی قربانیاں کرتے ہوئے اِس راہ میں انہوں نے ہزاروں مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں اُن کی وفات جماعت کے لئے کوئی معمولی صدمہ نہیں ہوتا۔ ..... کیونکہ منشی ظفر احمد صاحب اُن آدمیوں میں سے آخری آدمی تھے جو حضرت (اقدس۔ ناقل) کے ساتھ ابتدائی ایام میں اکٹھے رہے۔ یہ چار آدمی (میاں عبداللہ صاحب سنوری، منشی اروڑے خان

صاحب، منشی محمد خان صاحب اور منشی ظفر احمد خان صاحب۔ ناقل) جن کے حضرت اقدس کے ساتھ دعویٰ ماموریت اور بیعت سے پہلے کے تعلقات تھے کہ ایک منٹ کے لیئے بھی دُور رہنا برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ ایسے لوگوں کی وفات ایک بہت بڑا اور اہم مسئلہ ہوتا ہے کیونکہ جو شخص ان لوگوں کے لیئے دعا کرے، اُن پر احسان نہیں ہوتا بلکہ اپنے اوپر احسان ہوتا ہے۔......

...... ابتدائی گہرا تعلق رکھنے والوں میں سے منشی ظفر احمد صاحب آخری (رفیق۔ ناقل) تھے۔ وہ لوگ جو حضرت (اقدس۔ ناقل) کی زندگی میں آپ سے گہرا تعلق اور بے تکلفی رکھتے تھے ان میں سے تو غالباً منشی ظفر احمد صاحب آخری آدمی تھے۔ کپور تھلہ کی جماعت کو ایک یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت (اقدس۔ ناقل) نے اس جماعت کو یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ مجھے یقین ہے کہ جس طرح خدا نے ہمیں اس دنیا میں اکٹھا رکھا ہے اسی طرح اگلے جہان میں بھی کپور تھلہ کی جماعت کو میرے ساتھ رکھے گا۔ مگر اس سے کپور تھلہ کی جماعت کا ہر فرد مراد نہیں بلکہ صرف وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضرت (اقدس ناقل) کا ساتھ دیا جیسے منشی روڑے خان صاحب تھے یا منشی محمد خان صاحب تھے یا منشی ظفر احمد صاحب تھے۔ یہ لوگ حضرت (اقدس۔ ناقل) کے ہزاروں نشانوں کا چلتا پھرتا ریکارڈ تھے۔"

(الفضل ۲۸ اگست ۱۹۴۱ء)

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ

حضرت حافظ روشن علی صاحب حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے رفیق اور سلسلہ احمدیہ کے ایک بہت بڑے عالم دین تھے۔ آپ نے حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب سے قرآنی علوم سیکھے اور جماعت احمدیہ کے دوسرے امام حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کے ہم سبق رہے۔

حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب جب ۱۹۲۴ء میں بیت الفضل کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیئے یورپ تشریف لے گئے تو بارہ حواریوں میں آپ بھی شامل تھے۔ آپ کی بزرگی اور عالم دین ہونے کا اپنے تو اپنے غیر بھی اعتراف کرتے تھے۔ اور آپ کو جیّد عالم سمجھتے تھے اور آپ کی تقاریر میں شامل ہو کر فیض حاصل کرتے تھے۔

حضرت حافظ صاحب رنمل ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ آپ کی پیدائش کا سن ۱۸۸۳ء یا ۱۸۸۴ء ہے۔ آپ کے والد محترم میاں میراں بخش صاحب ۳۵ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر چار یا پانچ سال تھی۔ آپ کی آنکھیں دُکھتی تھیں، والد کی وفات کی وجہ سے کسی نے علاج کی طرف توجہ نہ دی جس کی وجہ سے آنکھیں زیادہ خراب ہو گئیں۔ آخر آپ کی بینائی بہت کم ہو گئی۔ حافظ صاحب چار بھائی تھے۔ آپ سب سے چھوٹے تھے۔ حضرت حافظ صاحب اپنی بینائی کم ہونے کی وجہ سے سکول کی تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہے۔ آپ نے اپنے ماموں حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی (جو رشتہ میں آپ کے ماموں تھے) سے پندرہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ آپ کے بھائی ڈاکٹر رحمت علی صاحب کی ہدایت پر حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی نے آپ کو قادیان بھجوا دیا۔ آپ قادیان آنے سے قبل ۱۸۹۹ء میں بیعت کر چکے تھے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے آپ کو دینی تعلیم کے لیے حضرت قاضی امیر حسین صاحب کے سپرد فرمایا۔ پانچ سال کے قریب آپ ان سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ متعدد دینی کتب کے علاوہ طب کی کتاب نفیسی بھی پڑھی۔ اس کے بعد جماعت احمدیہ کے پہلے امام حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب نے انہیں اپنے درسِ خاص میں لے لیا۔

دورانِ تعلیم آپ حضرت نواب محمد علی خانصاحب کے بچّوں کی تعلیم و تربیت کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور ساتھ ساتھ اپنی تعلیم کو بھی جاری رکھا۔

اُستاد کی رائے

حضرت حافظ صاحب کے متعلق آپ کے استاد حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی فرماتے ہیں :-

"ابتدائے عمر سے حافظ صاحب فرمانبردار تھے اور آپ کا اتنا ادب کرتے تھے کہ بسبب ادب اور حجاب کے بول و براز کے لئے باہر جانے کی اجازت بھی خود نہ لیتے بلکہ کسی طالب علم کے ذریعہ ہی اجازت مانگتے۔ ......

حافظ روشن علی صاحب مرنجاں مرنج و خاموش طبیعت تھے۔ اپنے کام میں ہی منہمک رہتے تھے اور بہت ہی ادب کرتے۔ اور زیادہ خوش الحان ہونے کی وجہ سے میں اُن کو ہی طلباء کا امام بنایا کرتا تھا۔ طلباء بھی ان کا ادب کرتے اور ان کی تعظیم کرتے تھے۔" (الفضل ۲۹ ؍ ۶ ...)

ذہانت اور حافظہ

حضرت حافظ صاحب نہایت ذہین تھے۔ آپ تلاوت کرتے وقت پچھلی آیات بتا سکتے تھے آپ الگ الگ آیات بھی بتا سکتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کلامِ الٰہی آپ کے سامنے کھُلا پڑا ہے۔ کسی مضمون کے متعلق دریافت کرنے پر آپ فوراً قرآن کریم کی متعدد آیات بتا دیا کرتے تھے۔ حضرت فضلِ عمر اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

"حافظ صاحب میں یہ بڑا کمال تھا کہ انہیں جب کوئی مضمون بتا دیا جاتا تھا وہ اُس مضمون کی آیتیں قرآن کریم سے فوراً نکال دیا کرتے تھے۔ اگر پہلی دفعہ صحیح آیت نہ بتا سکتے تو دوسری دفعہ ضرور صحیح آیت بتا دیتے تھے۔ مگر ان کی وفات کے بعد مجھے اب تک کوئی ایسا آدمی نہیں ملا۔ اُن کی زندگی میں مجھے مضمون تیار کرنے کے متعلق کبھی گھبراہٹ نہیں ہوا کرتی تھی کیونکہ مَیں جانتا تھا تقریر کرنے سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے مَیں ان کو سامنے بٹھا لوں گا اور وہ آیتیں نکال نکال کر مجھے بتاتے چلے جائیں گے۔"

(الفضل ۲۶ ؍ جولائی ۱۹۴۴ء)

ایک اور موقعہ پر فرمایا :-

"ایک دفعہ لاہور میں مجھے اچانک تقریر کرنی پڑی۔ حافظ روشن علی صاحب مرحوم جو آیات کا حوالہ نکالنے میں بہت مہارت رکھتے تھے اُن کو مَیں نے پیچھے بٹھا لیا اور مضمون بیان کرنا شروع کر دیا جب ضرورت پڑتی اُن سے حوالہ دریافت کر لیتا۔" (الفضل ۱۰ ؍ ستمبر ۱۹۲۸ء)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ایک موقعہ پر حضرت حافظ صاحب سے دریافت فرمایا کہ حافظ صاحب وہ کیا آیت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی آیات سے ٹھٹھا کیا جائے تو اُس مجلس میں نہ بیٹھو۔ اس پر آپ نے فوراً یہ آیت

پڑھ سُنائی حَتّٰی یَخُوضُوا فِی حَدِیثٍ غَیْرِہٖ

(سیرۃ المہدی حصہ اوّل صفحہ ۲۴)

حضرت حافظ صاحب نہایت حاضر جواب تھے کوئی شخص بھی آپ کی مجلس میں رنجیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ چاہے کسی مذاق کے ہوں حضرت حافظ صاحب ان پر کبھی بارِ گراں محسوس نہیں ہوتے تھے۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب فرماتے ہیں کہ:-

"مَیں نے آپ سا ذہین اور قادر الکلام کوئی نہیں دیکھا۔"

(الفضل ۲۸ جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۷)

۱۹۲۴ء کے سفر یورپ میں حضرت فضلِ عمر کو حضرت بانیٔ سلسلہ کی ایک عربی کتاب کی ضرورت پڑی۔ حضور نے حضرت حافظ صاحب سے اس کتاب کے نہ ہونے کا افسوس کیا تو حضرت حافظ صاحب نے وہ کتاب زبانی سُنانی شروع کر دی۔

(الفضل ۴ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

تبحّرِ علمی

آپ اپنے زمانہ میں سلسلہ احمدیہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ آپ نے ہر ایک اسلامی علم میں تبحّر حاصل کیا تھا۔ حضرت فضل عمر فرماتے ہیں:-

"قاضی امیر حسین صاحب، حافظ روشن علی صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب اپنے اپنے رنگ میں کامل تھے۔ قاضی صاحب علم حدیث کے ماہر تھے۔ حافظ صاحب قرآن کریم کی تفسیر کے اور مولوی صاحب حضرت (بانیٔ سلسلہ احمدیہ۔ ناقل) کی کتب کے۔"

(الفضل ۳۱ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۳)

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر فرماتے ہیں:-

"حضرت (مولانا حکیم نورالدین) کی ایک خاص یادگار دنیا میں نورِ قرآن سے فیض یافتہ حافظ القرآن مولانا روشن علی ہیں۔" (الفضل ۱۲ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۸)

محترم پیر فیض احمد صاحب فرماتے ہیں:-

"حضرت (مولانا حکیم نورالدین) فرمایا کرتے تھے مَیں نے اپنے تمام روحانی علوم میاں محمود احمد (حضرت فضل عمر) کو دے دیئے ہیں اور تمام ظاہری علوم حافظ روشن علی صاحب کو دے دیئے ہیں۔"

حضرت حافظ صاحب کے تبحّرِ علمی کے بارے میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر فرماتے ہیں:-

"حافظ صاحب کے پاس جاتا اور کہتا کہ آج میں (MOVING ENCYCLOPAEDIA ISLAM) متحرک دائرۃ المعارف ...... کے مطالعہ کے لئے آیا ہوں اور بفضلہ تعالیٰ اس سے بھی کم وقت صرف کر کے جو برٹش میوزیم لائبریری لنڈن میں محض کتاب لینے کی اجازت حاصل کرنے میں خرچ ہوتا تھا علم کے زندہ خزانہ سے ضرورت کے مطابق دولتِ معلومات لے کر شاداں و فرحاں واپس ہوتا تھا۔"

(الفضل ۱۲ جولائی ۱۹۲۹ء صفحہ ۸)

خطابی قابلیت

آپ نے ہزاروں تقریریں کیں اور پھر ملک کے ہر حصہ میں دیہات میں بھی اور شہروں میں بھی کیں۔ آپ متعدد دینی انجمنوں کی دعوت پران کے جلسوں میں شریک ہوئے۔ انجمن احمدیہ جموں نے ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۶ء میں جلسہ میں تقاریر کے لئے دعوت دی۔ ۱۹۲۴ء میں ینگ مین ایسوسی ایشن جموں کی دعوت پر تقریر فرمائی۔ علی گڑھ یونیورسٹی کی ایک تقریب پر آپ نے اسلامک ہسٹری اور اسلام اور دیگر مذاہب کے موازنہ پر تقریر فرمائی۔ آپ نے جلسہ سالانہ قادیان میں ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۷ء تک چودہ سال تقاریر کیں۔

حضرت حافظ صاحب نہ صرف اُردو زبان میں ہی تقریر کرنے کی مہارتِ تامہ رکھتے تھے بلکہ عربی میں بھی آپ نے کئی گھنٹوں تک لمبی تقاریر کیں۔ پنجابی زبان میں بھی آپ نے تقاریر کیں

مباحثات

آپ نے اپنی زندگی میں بیسیوں مباحثات کئے جو غیر از جماعت علماء، عیسائی پادریوں اور آریوں سے ہوئے۔ کئی ایک مناظروں میں آپ اہلسنت و الجماعت کی طرف سے پیش ہوئے۔

حضرت فضل عمر نے آپ کے متعلق فرمایا:۔

"مباحثوں کی وجہ سے جماعت میں اتنے مقبول ہوئے کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اُس وقت ہمیشہ جماعتیں یہ کہا کرتی تھیں کہ اگر حافظ روشن علی صاحب اور میر محمد اسحاق صاحب نہ آئے تو ہمارا کام نہیں چلے گا۔"

(الفضل ۱۹ر نومبر ۱۹۴۰ء ص۴)

تصوّف

آپ صوفیاء کے ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی تربیت خالص تصوّف کی فضا میں ہوئی۔ آپ میدانِ تصوّف کے شاہسوار تھے۔

۱۹۲۴ء میں سفر یورپ کے دوران آپ نے ویمبلے کانفرنس میں تصوّف کے موضوع پر عظیم الشان تقریر فرمائی۔ آپ کی اس تقریر کے بارے میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر جو اس موقعہ پر موجود تھے تحریر فرماتے ہیں:۔

"سر آرنلڈ اور دوسرے مستشرقین نے پسند کیا اور دوسرے مقرر کا نام نکال کر حضرت حافظ صاحب کا نام رکھ دیا۔ کانفرنس نے آپ کے مضمون، آپ کی تلاوتِ قرآن اور مثنوی کے پڑھنے کو نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور مشرق کے ممتاز سبز عمامہ پوش لوگوں میں صوفی روشن علی کانفرنس والوں کی آنکھ میں خاص توجہ سے دیکھے گئے۔"

(الفضل ۱۲ر جولائی ۱۹۲۹ء ص۸)

حضرت حافظ صاحب کو قرآن کریم سے عشق تھا۔ آپ نے بیسیوں دفعہ قرآن کریم کا درس دیا۔ ہر رمضان میں شدید گرمیوں میں روزہ رکھ کر آپ ایک پارہ

کا روزانہ درس دیتے تھے۔ آپ علم تجوید کے ماہر اور بڑے خوش الحان قاری تھے۔ آپ کی قراءت سن کر کئی غیر احمدی اور غیر مسلم بھی مسحور ہو جاتے تھے۔ دعوت الی اللہ کے سلسلے میں ہندوستان کے علاوہ آپ کو یورپ، قاہرہ مصر، دمشق اور بیت المقدس جانے کا موقعہ ملا۔ اور ہر فرقے کے علماء نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق حظ اٹھایا۔ دمشق میں ایک تقریر کے متعلق الفضل لکھتا ہے:۔

"سب علماء خاموش ہیں، سب امراء اور شرفاء ہمہ تن گوش ہیں۔ تین گھنٹے ہو چکے ہیں اکثر لوگ کھڑے تقریر سن رہے ہیں۔"

(الفضل ۶ر ستمبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶)

آپ نے جماعت احمدیہ میں بڑے پایہ کے علماء پیدا کیے اور ان کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ آپ کے شاگردوں میں حضرت مولانا جلال الدین شمس، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب اور حضرت مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی جیسے علماء کی کھیپ تیار کر دی۔

فقہ میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ اس علم کے عظیم مجتہد تھے، آپ کی مشہور تالیف "فقہ احمدیہ" ہے۔

آپ نے انصار اللہ کی ابتدائی تنظیم میں شاندار خدمات سر انجام دیں۔ آپ نے ہندوستان کے دینی مدرسوں کا دورہ کیا۔ آپ محکمہ قضاء کے انچارج بھی رہے۔

جماعت احمدیہ لدھیانہ نے دارالبیعت کی از سر نو مرمت کی تو اس کا افتتاح آپ نے فرمایا۔

جولائی ۱۹۲۵ء میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس امرتسر میں آپ نے شرکت کی اور وہاں آپ سب جیکٹ کمیٹی کے ممبر چنے گئے۔ آپ نے ساری عمر جماعت احمدیہ کی بہت خدمت کی اور مختلف حیثیتوں سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آخر کار احمدیت کا یہ بطل جلیل ۲۳ رجون ۱۹۲۹ء کی شام کو بعارضہ حرکت قلب بند ہونے کے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گیا۔

وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۴۵-۴۶ سال تھی، حضرت فضل عمر اس موقعہ پر قادیان میں نہیں تھے۔ آپ نے امیر مقامی حضرت مولانا شیر علی صاحب کے نام ایک تفصیلی تعزیتی تار بھیجا جس میں حضرت حافظ صاحب کی خدمات اور صفات کا تفصیل سے ذکر فرمایا۔ ۲۴ رجون ۱۹۲۹ء کو اس عاشق قرآن کو بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کر دیا گیا:

اِک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا

مَیں خاک تھا اُسی نے ثریّا بنا دیا

(حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ)

عظیم الشّان کامیابیوں کی آئینہ دار پہلی صدی کے مبارک اختتام

اور

غلبۂ حق پر منتج ہونے والی عظیم تر کامیابیوں کی حامل دوسری صدی

کے بابرکت آغاز پر

مجلس خدّام الاحمدیہ (مقامی) ربوہ حمد اور شکر کے جذبات سے لبریز ہو کر

اپنے پیارے آقا نیز شرق و غرب میں پھیلی ہوئی اقوام کے جملہ احمدی احباب کی خدمت میں

خلوصِ دِل سے مبارکباد عرض کرتی ہے

اور دست بدعا ہے کہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی عظیم تر ذمہ داریاں نہایت خوش اسلوبی سے

ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے

مجلس خدّام الاحمدیہ (مقامی) ربوہ

حضرت ماسٹر سردار عبدالرحمٰن صاحب (سابق) مہر سنگھ

حضرت سردار عبدالرحمٰن صاحب سابق مہر سنگھ حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کے ۳۱۳ خاص رفیقوں میں سے تھے۔ مقدسین کی اس فہرست میں آپ کا نمبر ۲۵۵ ہے۔ آپ کو حضرت اقدس کی مجالس میں بیٹھنے کے بہت مواقع نصیب ہوئے۔ آپ کو حضور کے ساتھ سفر کا موقعہ بھی ملا۔ حضور کی طرف سے شائع کردہ بہت سے اشتہارات میں بھی آپ کا ذکر ہے۔ آپ کو حضور کی ذاتی خدمت کا بھی موقعہ ملا۔

آپ ۱۸۷۲ء میں قصبہ ڈومیل ضلع جالندھر میں سردار سوندھا سنگھ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ چار بھائیوں میں سے سب سے چھوٹے تھے اور والدین کے لاڈلے تھے۔ ۱۸۸۴ء میں جب آپ جماعت چہارم میں پڑھتے تھے تو سکھوں کے رسم و رواج کو ناپسند کرتے اور اعتراض کرتے تھے بعد میں آریوں کا مذہب اختیار کر لیا۔ چودہ سال کی عمر میں رسوم ہند نامی کتاب کے مطالعہ سے تلاشِ حق کی جستجو پیدا ہوئی۔ ایک نیک مسلمان ہمسایہ کی صحبت سے آپ کے دل میں دینِ حق کے متعلق رغبت پیدا ہوئی اور ایک مسلمان اُستاد میاں روشن دین سے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ درگاہ باریتعالیٰ میں نہایت سوز و گداز اور تضرع سے دعائیں کرتے رہے۔ اسی حالت میں سو گئے اور خواب میں دیکھا:۔

"میں گھر سے بھاگا ہوں اور راہ میں گلی میں جہاں جہاں قدم رکھتا ہوں قدم قدم پر آتش سوزاں کا کنواں نکل آتا ہے جس میں آگ کے خوفناک شعلے نکل رہے ہیں لیکن یہ عاجز مغرب کی طرف بھاگا جاتا ہے اور آٹھ کوس تک یہی حالت رہی۔ آخر کار یہ عاجز ایک مکان پر چڑھ گیا مگر اس کی چھت پھٹ گئی اور آتش کدہ نمودار ہو گیا۔ میں اس مکان سے نیچے کود پڑا اور آنکھ کھل گئی"۔

اس خوفناک خواب سے گھر والوں کی محبت آپ کے دل سے نکل گئی اور اپنے سکونتی مکان سے نفرت پیدا ہو گئی۔ چند روز کے بعد ایک اور خواب یہ دیکھا کہ:۔

"یہ عاجز اور ایک لڑکا (نتھا سنگھ) جو میرا ہم محلہ اور ہم مکتب تھا (دونوں اپنے گماد کی حفاظت کے لئے بیٹھے ہیں یکایک آگ لگ گئی۔ دوسرے سب محافظ جو سکھ تھے جلتے گئے) ہم دونوں خوفناک آگ سے

صحیح سلامت نکل آئے مگر ہمارے ہاں کے باقی لوگ آتش سوزاں میں ڈھیر ہوگئے "۔

تلاش حق کی خاطر اپنے گھر کو الوداع کہا۔ تین دن کے سفر کے بعد لاہور پہنچے اور رات باہر کھیتوں میں بسر کرتے۔ اسی طرح چند مہینے گزر گئے۔ آخر دو ماہ کے بعد شرق پور گئے اور وہاں مسجد عالی میں ایک نہایت معمر مسلمان مسمی مستقیم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وہاں سے گوجرانوالہ پہنچے اور مولوی خدا بخش صاحب جالندھری جو بہت ہی مخلص احمدی تھے، آپ مولوی صاحب موصوف کے زیر تربیت رہے۔ آپ کچھ عرصہ دہلی میں ایک نومسلم مولوی محمد صاحب جو مولوی سید نذیر حسین صاحب شیخ الکل کی مسجد کے ساتھ رہتے تھے اُن سے دو سال میں گلستاں بوستاں پڑھی، کتابت سیکھی، قرآن مجید پڑھا، وہاں سخت بیمار ہوگئے اور مشہور حکیم اجمل خاں کے علاج سے صحت ہوئی۔ مولوی خدا بخش صاحب آپ کو جالندھر اور پھر قادیان لے آئے۔ آپ ۱۸۹۰ء کے قریب قادیان تشریف لائے۔ آپ خود بیان فرماتے ہیں :-

"۱۸۹۰ء یا ۱۸۹۱ء تھا جب میں پہلی دفعہ قادیان حاضر ہؤا (اُس وقت حضور کے پاس بہت تھوڑے آدمی ہوتے تھے اور نماز میں غالباً چار پانچ آدمی ہوتے تھے) اُن دنوں حضرت (اقدس - ناقل) رسالہ فتح اسلام کی پہلی کاپی دیکھ رہے تھے میں ابھی بچہ ہی تھا۔ اُن دنوں بیعت ہاتھ میں ہاتھ لے کر نہیں ہوتی تھی بلکہ حضور .... بینی (کلائی) سے ہاتھ پکڑ لیتے تھے اور پھر بیعت لیتے تھے۔ آپ نے میرے دائیں ہاتھ کی کلائی پکڑ کر میری بیعت قبول فرمائی۔ اور الفاظ بیعت ..... میں سے ایک فقرہ یاد رہ گیا ہے "

میں منہیات سے بچتا رہوں گا "۔

(سیرۃ المہدی حصہ سوم روایت ۶۷۶)

اس کے بعد فرماتے ہیں :-

"جموں میں حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کے پاس پہنچ گیا اور مدرسہ میں داخل ہؤا۔ اور گھر والوں سے ملنے کے لئے آیا۔ انہوں نے مجھے دوبارہ سکھ بنانے کی بہت کوشش کی۔ لالچ دیا۔ پنڈت وغیرہ سمجھانے کے لئے بلوائے گئے۔ مدرسہ میں مجھے مفتی محمد صادق صاحب سے تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ ملا "۔

حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب حضرت اقدس کے نام لکھے گئے خط میں آپ کا ذکر فرماتے تھے اور تعلیم و تربیت کا خیال رکھتے۔ حضرت مولوی صاحب آپ کو اپنے ساتھ بھیرہ لے آئے۔ یہاں سے آپ مڈل کے امتحان میں ضلع بھر میں اول آئے اور چار روپے ماہوار وظیفہ حاصل کیا۔ مڈل پاس کرنے کے بعد آپ نے حضرت حکیم غلام محمد صاحب امرتسری اور بعض دیگر افراد کی مدد سے اڑھائی ماہ میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ لیا۔

دعوت الی اللہ :-

لالہ ساگر چند جو پنجاب یونیورسٹی کے پہلے گریجویٹ تھے بطور انسپکٹر سکول کے معائنہ کے لئے آئے۔ تمام طلباء کی موجودگی میں آپ نے ایک مضمون سُنایا جس میں اس طرف توجہ دلائی گئی کہ دنیوی امتحانات کے واسطے

تو ہم تیاری کرتے ہیں لیکن اُخروی امتحان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ آپ بازاروں میں دینِ حق کا پیغام پہنچاتے رہتے۔ میٹرک کرنے کے بعد آپ نے کئی جگہ ملازمت کی اور دورانِ ملازمت پرائیویٹ ایف اے کر لیا۔

ہجرت اور قادیان میں ملازمت:۔

ایف اے کرنے کے بعد حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کی تحریک پر ۱۲/ مئی ۱۹۰۰ء کو بیس روپے ماہوار پر ہائی سکول قادیان میں ملازم ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں انسپکٹر مدارس کی سفارش پر لاہور ٹریننگ کے لئے بھی گئے۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول سے آپ کی خدمات مدرسہ احمدیہ میں منتقل ہوئیں وہاں سے آپ ریٹائر ہوئے۔

آپ کی شادی حضرت حکیم نورالدین صاحب کی تحریک پر حضرت خلیفہ نورالدین صاحب آف جموں کی صاحبزادی غلام فاطمہ سے ہوئی۔

کفایت شعاری:۔

آپ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میری کفایت شعاری کی عادت ہمیشہ سے رہی ہے۔ اسی کی بدولت مَیں بچوں کو بیس روپے کی تنخواہ پر پالتا رہا اور تعلیم دلاتا رہا۔ اور باہر کی نوکری پر قادیان کی نیک صحبت کو ترجیح دیتا رہا ...... گھر میں دو ٹوٹی پھوٹی کرسیاں تھیں اور صرف ایک لوٹا تھا۔ تین سال سے کوئی بُوٹ نہیں لیا۔ صرف ربڑ کے سلیپر پر گزارہ کیا۔ چار سال سے مکان کی سفیدی نہیں کرا سکا۔ کبھی جرابیں نہیں خریدیں۔ گھر میں صرف ایک تولیہ ہے جو مہمانوں کے لئے ہے۔ سن لائٹ صابن کبھی کبھی منگواتے ورنہ کپڑے دھونے والا صابن ہی استعمال ہوتا۔"

تعلیم و تربیت:۔

آپ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دیتے۔ نوجوانوں میں دینِ حق اور احمدیت کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ سکول کے وقت کے دَوران بھی آپ وقت نکال کر وعظ و نصیحت کرتے۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں صبح حاضری کے بعد دس منٹ کا وعظ ہوتا تھا۔ آپ سالہا سال تک یہ وعظ کرتے رہے۔ آپ اکثر یہ نصیحت فرماتے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر انسان کا خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق پیدا ہو جائے تو انسان کو کوئی غم و فکر نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اس کے تمام کاموں کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔

حکیم محمد سعید صاحب مربی سرینگر و جموں فرماتے ہیں:۔

"جب مَیں نے آپ کو مہر سنگھ سے عبدالرحمٰن بن کر عابد، زاہد، سادہ، صداقت کا پُتلا بنا دیکھا تو حضرت (اقدس۔ ناقل) کے اس

ایک معجزے سے ہی میرا سارا خاندان احمدی ہوگیا۔ ایک دفعہ وطن میں مولویوں نے ہم پر یلغار کر دی تو میرے بھائیوں نے جو ابھی احمدی نہ ہوئے تھے میری طرف سے تمام اعتراضات کے جواب دیئے۔ اور بار بار حلفاً کہا کہ ہم نے سعید کے استاد کو جو سکھوں سے (احمدی۔ ناقل) ہوا دیکھا ہے۔ ان کو کیا ایک فرشتہ کو دیکھا ہے، ایک کامل ولی کو دیکھا ہے قطب، غوث، ابدال اس کے آگے کیا ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ اگر حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا یہ معجزہ نہیں تو اس سے بڑا اور کیا معجزہ ہوگا...... میرے بھائی بار بار یہی زندہ معجزہ پیش کرتے۔"

حکیم محمد سعید صاحب مزید لکھتے ہیں :۔

"۱۹۲۷ء میں ماسٹر صاحب سے واقفیت ہوئی۔ انہوں نے مجھے پڑھانا منظور کر لیا اور اپنے گھر پر ہی میرے قیام کا انتظام فرمایا۔ آپ مدرسہ سے واپس تشریف لاتے تو دو گھنٹے متواتر مجھے پڑھاتے تاکہ میری کمی پوری ہو جائے۔ ایک دفعہ مجھے سوال نہ آیا تو آپ نے مجھے مارا۔ ایک دن اُن کے گھر نہ گیا۔ ایسے مشفق کی جدائی مجھ پر شاق گزری۔ دوسرے دن اُن کے گھر کی طرف جا رہا تھا کہ آپ آتے ہوئے مل گئے۔ آپ نے سمجھا کہ میں شاید اُس سزا کی وجہ سے گھر سے بھاگ چلا ہوں اس لئے فوراً فرمایا سعید! میں نے محض تمہاری ہمدردی سے سزا دی تھی اگر اس وجہ سے ناراض ہو کر تعلیم ترک کر رہے ہو تو مجھے معاف کرو۔ آپ کے اِن کلمات سے میں مُرغِ بسمل کی طرح تڑپتا ہوا انکے قدموں میں جا پڑا اور اُن سے معافی مانگی۔ اُس دن سے میں اُن کا اور وہ میرے ہو گئے۔ میں سات سال تک آپ کے ہاں رہا۔ آپ نے مجھے اپنے بیٹوں کی طرح عزیز رکھا اور مشفق باپ کی طرح دل و جان سے میری خدمت کی۔ آپ کی حد درجہ شفقت کے باعث طلباء مجھے کہتے کہ تم ماسٹر صاحب کے بیٹے ہو۔"

اہل و عیال کو نصیحت :۔

آپ نے ۸ر جولائی ۱۹۵۰ء کو اہل و عیال کیلئے ایک وصیت تحریر فرمائی۔ یہ وصیت صرف دینی امور کے متعلق ہے۔ آپ نے تاکید کی :۔

"اگر تم لوگ (حضرت اقدس کے رفیقوں ناقل) کی برکات سے حصہ لینا چاہتے ہو تو ہماری طرح کشتیٔ نوح کا مطالعہ کیا کرو۔ میں اب بھی سال میں دو ایک مرتبہ اسے پڑھتا ہوں۔ حضرت (اقدس۔ ناقل) کے زمانہ مبارک میں ہم کشتی نوح پڑھ پڑھ کر بعض ہدایات کو خط کشیدہ کر لیتے تھے اور ہفتہ کے بعد دیکھتے کہ وہ نقص دور ہوا یا خوبی ہم میں پیدا ہوئی یا نہیں۔ اسی طرح (حضرت اقدس کے رفیق۔ ناقل) کیا کرتے

تھے۔ اور مَیں خود تو اپنے عیوب اور کوتاہیوں کو خط کشیدہ کر کے اصلاح کیا کرتا تھا۔ اس لئے گھر میں اِس کتاب کا درس دیتا تھا۔ (سالہا سال تک روزانہ گھر میں اکثر اس کتاب کا اور کبھی دوسری کتب حضرت اقدس کا درس ہوتا تھا)۔ اِس وصیّت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہر بچے اور ہر بچی کو کتاب "نبراس المومنین" دی ہوئی تھی۔"
(الفضل ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۸ء)

قلمی جہاد :۔

حضرت اقدس کے زیرِ سایہ ہی حضرت ماسٹر صاحب نے قلمی جہاد کا آغاز فرمایا تھا۔ حضرت ماسٹر صاحب فرماتے تھے :۔

"۱۹۰۴ء میں مَیں مہمان خانے کے کچے کمرہ میں رہتا تھا۔ میری آنکھیں سخت دُکھنے آگئیں۔ شدید ٹیسیں پڑتی تھیں۔ کئی روز گزر گئے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب کوکین ڈالتے تھے اس کا اثر زائل ہونے تک آرام رہتا تھا پھر وہی تکلیف۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا "میاں خطرہ ہے تمہاری آنکھیں ضائع نہ ہو جائیں" مَیں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ یہ تکلیف اور یہ خطرہ ہے۔ حضور نے فرمایا :۔

"مَیں نے کہا تھا تو مسلم سلسلہ کے متعلق کچھ لکھیں آپ نے کچھ لکھا کہ نہیں ؟"

مَیں نے کہا حضور مَیں نے ارادہ کیا ہوا ہے اور انشاء اللہ خوب لکھوں گا مگر اب آنکھوں میں سخت تکلیف ہے اِس وقت نہیں لکھ سکتا۔ حضور نے فرمایا :۔

"نیّت کر لو خدا توفیق دے گا۔ اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ دعا کریں گے آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔"

حضرت اقدس کی اِس دعا کے نتیجہ میں دو چار روز میں آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ اور وفات تک کبھی دُکھنے نہیں آئیں حالانکہ آپ نے بہت مطالعہ کیا۔ بعد میں بی اے بھی کر لیا مگر آنکھیں کبھی دُکھنے نہیں آئیں۔ آپ کی تصنیف کردہ کتب کی تعداد ۳۶ ہے۔ اس میں کچھ کتب سکول کے بچوں کے لئے انگریزی گرامر اور کمپوزیشن پر مشتمل ہیں۔ تاریخ انگلستان کا بھی آپ نے ترجمہ کیا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت اور صحت کے بارے میں کتاب تصنیف کی۔ ہندو دھرم اور سکھ ازم، صداقت حضرت اقدس، عیسائیت کا ردّ، پیغامیوں کا ردّ، امامت و خلافت اور اپنے احمدی ہونے کے بارے میں ۴ حصوں پر مشتمل کتاب لکھی جس میں دیانند کی تعلیمات کا ردّ قرآن مجید سے کیا گیا ہے۔

ان کتب کی بہت سے جید علماء نے تعریف فرمائی۔ آپ کی تصنیف "حضرت بابا نانک کا دین دھرم" پمفلٹ پر آپ کے خلاف مقدمہ چلا جس میں آپ کو ۶ ماہ قید تنہائی سخت اور ایک سو روپیہ جرمانہ کی سزا سُنائی گئی۔ ضمانت ہونے کے بعد آپ میانوالی سے رِہا ہوئے۔

حضرت ماسٹر صاحب صاحبِ الہام، رؤیا و کشوف تھے۔ فرماتے ہیں :۔

ہم جملہ احمدی بھائیوں کی خدمت میں احمدیہ صد سالہ جشنِ تشکر کے پُر مسرّت موقع پر
بصمیمِ قلب سے مُبارکباد عرض کرتے ہیں

COMPUTER NETWORKS

IBM/COMPATIBLE COMPUTERS

SALES MAINTENANCE
SOFTWARE

11 F LIBERTY PLAZA GULBERG
LAHORE

احمدیہ صد سالہ جشنِ تشکر مُبارک

قاضی پن ریپیرز اینڈ ربڑ سٹمپ میکرز

اب جاپانی مشین پر بھی مُہریں تیار کی جاتی ہیں

ہر قسم کے پلاسٹک بیج، سکول بیج، پاکٹ نیم پلیٹ اور براس و سٹیل نیم پلیٹ۔ انگریورز

نیلا گنبد لاہور

مون مویز فنکشن ریکارڈنگ سنٹر

رابطہ فون نمبر:- ۶۱۳۴۸

"۱۹۰۷ء میں جب میں ٹریننگ سکول میں زیرِ تعلیم تھا وہاں عیسائیوں نے مجھے لالچ اور ترغیب دی کہ عیسائی ہو جائیں۔ میں نے کہا میں زندہ خدا کا شائق ہوں۔ انہوں نے کہا اب الہام نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ مجھے الہام ہوتا ہے۔ امتحان کے بغیر سوال بتا دیا جائے گا۔ طلبار نے کہا ہم نے تو نہیں سُنا۔ دوسرے تیسرے روز رات کو سرہانے پر سر رکھتے ہی لگا تھا کہ کشفی حالت میں مجھے ریاضی کا پرچہ دکھایا گیا۔ جسے میں نے پڑھ لیا۔ مگر مجھے صرف پہلا سوال ہی یاد رہا جسے میں نے نوٹ کر لیا۔ تین ہفتے کے بعد ہمارا سہ ماہی امتحان ہوا اور اس میں ریاضی کا پہلا سوال وہی تھا جو میں نے بتایا تھا۔ یہ دیکھ کر یوسف وغیرہ دریائے حیرت میں ڈوب گئے۔ ایک شخص عبدالحمید ایم اے سکنہ کٹڑہ بھنگیاں امرتسر دہریہ تھا وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہو گیا۔ اس کی تحریر میرے پاس موجود ہے۔"

حضرت فضل عمرؓ نے بھی ایک خطبہ میں حضرت ماسٹر صاحب کی قبولیتِ دعا کی شرط مخالفین سے لگانے کا ذکر فرمایا تھا اور فرماتے تھے کہ بات پوری ہونے پر یہ مخالفین آپ سے چھپتے پھرتے تھے۔ (الفضل ۲۲ر جون ۱۹۵۲ء)

حضرت ماسٹر صاحب حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے بہت سے نشانات کے گواہ تھے آپ سے ۱۴ روایات مروی ہیں۔ آپ کو حضرت اقدس کی ذاتی خدمت بجا لانے، دارالمسیح میں قیام اور صاحبزادگان کو تعلیم دینے کا موقعہ ملا۔ آپ ۴ر جون ۱۹۵۲ء کو وفات پا گئے۔

نوٹ:- احمدیہ صد سالہ جشن تشکر نمبر میں حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے رفقاء کے حالات مکرم مرزا خلیل احمد صاحب قمر نے تحریر کئے ہیں۔ جزاہ اللہ خیراً۔

ماہنامہ خالد کا آئندہ شمارہ احمدیہ صد سالہ جشنِ تشکر کا

نقشِ ثانی ہوگا

احمدیہ صد سالہ جشنِ تشکر کے ضمن میں آنے والے مضامین اور اشتہارات کی کثرت کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ماہنامہ خالد کا آئندہ شمارہ بھی احمدیہ صد سالہ جشنِ تشکر نمبر ہی کا نقشِ ثانی ہوگا۔ جس میں بعض نہایت اہم اور قیمتی مضامین اور ایک نہایت دلچسپ سروے شامل اشاعت ہوگا۔ نیز جو اشتہارات رہ گئے ہیں وہ بھی اسی شمارے میں شامل ہوں گے۔ جن احباب کے اشتہارات اس شمارے میں شامل نہیں یا جنہوں نے ابھی تک اشتہارات ارسال نہیں کئے وہ براہِ کرم فوری طور پر قائدینِ مجالس اور نمائندگان خالد کے ذریعہ ارسال کر کے ممنون فرمائیں۔

(مینجر ماہنامہ خالد۔ ربوہ)

Hearty Congratulations on

Ahmadiyya Thanksgiving Centarary

CELEBRATIONS

MALIK ATTA & CO.

DEALER :

CHARAT CEMENT
PAKLAND CEMENT
STATE CEMENT

1ST FLOOR SHARIF PLAZA
SHEIKHUPURA

PHONE: MAIN OFF. 3968
SUB OFF. 3864
RES. 4067

MALIK & CO.

KILN OWNER

FAISAL ABAD ROAD
SHEIKHUPURA

PROPRIETORS :
MALIK NASIR-UD-DIN
MALIK HAMEED-UD-DIN

PHONE : 4067

احمدیّہ صد سالہ جشنِ تشکّر کے مبارک موقع پر

جملہ احمدی احباب ازراہ نوازش

ہماری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیں !

انصاف کلاتھ ہاؤس

صدر بازار۔ اوکاڑہ

ہول سیل سوتی و ریشمی کپڑے کی خریداری کا مشہور مرکز

ٹیلیفون نمبر:- ۳۸۶۰

Monthly KHALID RABWAH
Regd. No. L 5830
FEBRUARY MARCH 1989